۱۸۵۷ء سے قبل جرمنی میں اردو اور فارسی اخبارات

محمد اکرام چغتائی*

خود مختار ممالک کی طرح تاریخ، چاہے سیاسی ہو یا علمی و ادبی، کی عمارت بھی چند ستونوں پر استوار ہے، جن میں ایک مستحکم ستون صحافت بھی ہے، جس کی امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اہمیت اور افادیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، بلکہ اب تو تیزی سے بدلتے ہوئے متنوع عصری تقاضوں کے زیر اثر صحافت مقتدر ریاستوں کے چند بنیادی ستونوں میں شمار کی جاتی ہے۔

دیگر اصناف ادب کی طرح اردو صحافت کی ابتداء اور اس کے محرکات کے بارے میں مختلف آراء کا اظہار کیا جاتا رہا۔ برصغیر کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ سلطنت مغلیہ کا انحطاطی دور تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا، انیسویں صدی عیسوی کے شروع ہوتے ہی انگریزوں کے دہلی پر قبضہ (۱۸۰۳ء) کے بعد یہ تصویر خاصی واضح ہو گئی کہ آئندہ مکمل اقتدار کا ہما کس کے سر پر بیٹھے گا۔ انگریز بلا واسطہ طور پر ریزیڈنٹ کے ذریعے اور سلیقہ مندی سے دھیرے دھیرے اپنا اثر و رسوخ بڑھاتے رہے اور اسی صدی کے ربع اول میں انھوں نے مسلمانوں کے بعض تعلیمی اداروں کی ناگفتہ بہ صورت حال کو سنوارنے اور انھیں جدید تعلیم سے متعارف کرانے کے لیے عملی اقدام اٹھائے۔[1] ممکن ہے اسی دوران میں معروف انگریزی اخبارات و جرائد کے زیرِ اثر بعض دور بین اصحاب نے ان کے اتباع میں اردو کو وسیلۂ اظہار بنانے کے متعلق سوچا ہو، لیکن اس کے واضح شواہد موجود نہیں اور نہ وثوق سے کچھ کہا جا سکتا ہے۔

حالیہ تحقیقات کے مطابق اردو کا پہلا اخبار جام جہاں نما ہے۔ ہفت روزہ تھا، سنۂ اجراء ۲۷ مارچ ۱۸۲۲ء اور مقام اشاعت کولکتہ، نستعلیق ٹائپ میں۔ فارسی اخبار کے ساتھ اردو کا ایک آزاد ضمیمہ، جو پانچ سال تک شائع ہوتا رہا (۲۳ فروری ۱۸۲۳ء تا ۲۳ جنوری ۱۸۲۸ء)۔ آٹھویں شمارے سے بیک وقت فارسی اور اردو میں چھپنے لگا۔

اسی اخبار میں اودھ اور پنجاب کی سکھ حکومت کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا جاتا۔ اردو سیکھنے والے نو آموز انگریزوں کے لیے ایسی تحریریں شائع کی جاتیں جن سے انھیں اردو پڑھنے میں سہولت ہو جاتی۔ مختلف شہروں کی خبریں دی

* سابق ڈائریکٹر جنرل اردو سائنس بورڈ، لاہور، محقق و مصنف، مقیم لاہور

جاتیں۔ مجموعی طور پر اداریوں اور مضامین میں سرکار پسندی کا پہلو نمایاں تھا۔

جامِ جہاں نما کے ابتدائی چند شمارے بھارت کے نیشنل آرکائیوز (دہلی) میں محفوظ ہیں، جن کی بنیاد پر گربچن چندن نے درج ذیل کتاب تحریر کی ہے: جام جہاں نما، اردو صحافت کی ابتدا، دہلی، ۱۹۹۲ء[۲]

اس کے ایک سال بعد یعنی ۱۸۲۳ء میں شمس الاخبار کا اجراء ہوا لیکن یہ دونوں اخبار "قارئین کی اردو زبان سے عدم دل چسپی اور کور ذوقی کے باعث چند سال کے عرصے میں بند ہو گئے۔"[۳]

حاکم و محکوم کے ذہنی فاصلوں کو کم کرنے کے عمل کو تیز کرنے کے لیے دہلی کی قدیم درس گاہ "مدرسہ غازی الدین خاں" کو ٹیلر کی سربراہی میں "دہلی کالج" کے نئے نام سے بحال کر دیا گیا اور شاہ ولی اللہؒ کی فکر کے پیروکار جید علماء کو علوم اسلامیہ کے شعبوں میں تعینات کیا (۱۸۲۵ء)۔ چند سال بعد انگریزی زبان سکھانے کے لیے الگ سے انتظام کیا گیا (۱۸۳۰ء)، جس میں جلب منفعت، تلاش روزگار یا ملازمتوں کے حصول کی خاطر مسلمانوں کی نسبت ہندوؤں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ لارڈ میکالے کی تحریر (Minute، ۱۸۳۵ء) کے زیر اثر انگریزی یا کسی مقامی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے مباحث چھڑ گئے، لیکن کم از کم دہلی کالج کی حد تک شرق شناسوں کے مؤقف کو تسلیم کر لیا گیا اور اردو کو ذریعۂ تعلیم کا درجہ دے دیا گیا، لیکن اس سے قبل فارسی کی صدیوں پرانی درباری اور تہذیبی حیثیت کو ختم کرنا پڑا۔ ان دور رس نتائج کی حامل تبدیلی، صوبجات شمالی مغربی کے لفٹنٹ گورنر جیمز تھامسن جیسی مقتدر شخصیات کی سرپرستی اور فروغ اردو کے لیے عمومی سرکاری رویوں نے بعض مقامی احباب کو اردو اخبارات کے جاری کرنے کی جانب متوجہ کیا، جدھر تقریباً ایک عشرے تک کسی کا دھیان نہیں گیا تھا۔ مولوی محمد باقر کو دہلی سے پہلا اخبار بعنوان دہلی اردو اخبار نکالنے کا اعزاز حاصل ہوا (۱۸۳۶ء)[۴] اور اس کے بعد سرسید احمد خاں کے بڑے بھائی سید محمد خاں نے سید الاخبار نکالا (۱۸۳۷ء) جو ان کی وفات کے بعد سرسید کی زیر ادارت چھپتا رہا۔[۵]

اردو صحافت کی تاریخ کے اس ابتدائی دور میں دہلی کے یہ اخبارات بارش کے پہلے قطرے ثابت ہوئے، اس کے بعد ایسی موسلا دھار بارش شروع ہوئی کہ شمالی ہند اور پنجاب کے تقریباً ہر قابل ذکر شہر سے اخبارات چھپنا شروع ہو گئے۔ دہلی کالج کی تنظیم نو کے بعد اس کے سربراہ کو سیکرٹری کے بجائے پرنسپل کہا جانے لگا اور اس نئے عہدے پر فرانسیسی نژاد فیلکس بوترو کا تقرر عمل میں آیا (فروری ۱۸۴۱ء)، جس نے جدید مغربی علوم کو اردو میں منتقل کرنے کے لیے ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کا سنگ بنیاد رکھا اور طالب علموں کا اخبار نامی مجلے کی اشاعت کا فیصلہ کیا، لیکن بدقسمتی سے وہ اس پر عمل نہ کر سکا۔[۶] دوسرے پرنسپل ڈاکٹر الوئس اشپرینگر (۱۸۱۳ء- ۱۸۹۳ء) کا تعلق

آسٹریا سے تھا۔ اس نے آتے ہی قران السعدین اور فوائد الناظرین کا اجراء کیا اور یوں وہ اردو صحافت کی تاریخ میں مجلاتی اور مقصدی صحافت کا بانی قرار پایا۔[۷]

اردو صحافت کے مؤرخین، محققین اور متخصصین نے اردو صحافت کی جو ادوار بندی کی ہے، اس کے مطابق پہلا دور ابتداء یعنی ۱۸۲۲ء سے شروع ہو کر ۱۸۵۷ء کی "رستخیز بے جا" (بقول غالب)، "بھگدڑ" (اکابرِ لکھنؤ)، "مظلوموں کی حرکتِ مذبوحی کا...ہنگامہ" (ڈاکٹر عابد حسین)، "حادثۂ خونیں" (سید سلیمان ندوی) یا انگریزوں کے بقول "غدر" پر ختم ہو جاتا ہے۔[۸] ابتدائی دو عشروں میں تو معدودے چند اخبارات ہی منظر عام پر آئے، لیکن ۱۸۴۰ء کے بعد دہلی کالج کے مجلات کے زیرِ اثر ان کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا، جس میں اس درس گاہ کے فارغ التحصیل طلبہ اور مدرسین نے اہم کردار ادا کیا۔ اس تیز رفتاری کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۸۴۹ء میں اردو اخبارات کی تعداد ۲۳ تھی، جو تین سالوں کی قلیل مدت یعنی ۱۸۵۲ء میں بڑھ کر ۳۱ ہو گئی۔[۹] نامور مؤرخ صحافت اردو نے ۱۸۳۷ء سے ۱۸۵۷ء تک ۱۱۸ اردو اور چند فارسی اخبارات کے کوائف فراہم کیے ہیں۔[۱۰] ٹائپ کے بجائے لیتھو کی چھپائی کی سہولت اور سرکاری پریس ایکٹ کی قدرے نرم تجاویز نے بلاشبہ اخبار نکالنے کے مراحل کو آسان بنا دیا، لیکن ان کی اشاعت محدود ہی رہی۔ شاید ہی کوئی ایسا اخبار ہو، جس کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہو۔ صفحات کی تعداد بھی کم ہوتی تھی، لیکن اخراجات کو پورا کرنے کی غرض سے قیمت زیادہ رکھی جاتی۔ دہلی کالج کے جرائد میں ماسٹر رام چندر (۱۸۲۱ء۔ ۱۸۸۰ء)[۱۱] جیسے مدیران سلیس اور رواں اردو نثر استعمال کرتے، لیکن مجموعی طور پر ادق اور ثقہ پیرایۂ اظہار ہی کو ترجیح دی جاتی۔ اس کے باوجود "قدیم و جدید تہذیبوں کی اولین آویزش کا یہ منظر نامہ اردو صحافت کو انیسویں صدی کے وسط کے ہندوستان کا آئینہ خانہ بنا دیتا ہے، جس میں قومی تاریخ کا ایک پورا دور جھلملاتا نظر آتا ہے۔"[۱۲]

دیکھا جائے تو اردو صحافت کا ابتدائی دور، جو پینتیس سالوں پر محیط ہے، اخبارات کی تعداد کے اعتبار سے خاصا امید افزا ہے، لیکن ان میں سے بیشتر حوادثِ زمانہ کی نذر ہو گئے۔ اول تو ان کی تعدادِ اشاعت بہت کم تھی اور وہ چند سالوں کے بعد خود ہی بند ہوتے چلے گئے۔ ہمارے غیر محتاط رویے بھی ان کے ناپید ہونے کا سبب بنے۔ رہی سہی کسر ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں نے پوری کر دی اور ان اخبارات کے مطابع، ناشرین اور ان کے کتاب خانوں کو تہس نہس کر دیا۔ علم و دانش کے ذخائر کی ہولناک تباہی کے باوجود اس دور کے جو چند اخبارات برصغیر پاک و ہند، انگلستان اور امریکا کے بعض ذاتی اور سرکاری کتاب خانوں میں دستبرد زمانہ کی دسترس سے محفوظ رہ گئے ہیں، ان کی بنیاد پر اس دور کی صحافت پر اظہار خیال کیا جاتا ہے۔

راقم کا زیر نظر مقالہ بعنوان "جرمنی میں اردو اور فارسی اخبارات (قبل از ۱۸۵۷ء)" بھی اسی دور صحافت سے متعلق ہے۔ ان کے بارے میں چند ضروری باتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ ان اخبارات کی تعداد گیارہ ہے۔ آٹھ اردو میں اور تین فارسی میں۔
۲۔ یہ ہندوستان کے مختلف شہروں مثلاً دہلی، لکھنؤ، آگرہ، بنارس، بریلی اور کولکتہ سے شائع کیے جاتے تھے۔
۳۔ بحالت موجودہ تمام اخبارات کے صفحات کی مجموعی تعداد ۴۳۹ ہے۔
۴۔ ان میں ایک اخبار زائرین ہند بنارس سے نکلتا تھا، اردو صحافت کی کسی تاریخ میں اس کا ذکر تک نہیں ملتا۔
۵۔ اردو کا دوسرا گلدستہ معیار الشعراء کا پہلا شمارہ، جو کسی اور کتاب خانے میں موجود نہیں۔
۶۔ بقیہ اخبارات کے متفرق شماروں کا ذکر تو ملتا ہے، لیکن جو شمارے جرمنی میں موجود ہیں، وہ ان میں شامل نہیں۔
۷۔ یہ تمام شمارے جرمنی کی مرکزی لائبریری (برلین) میں نہایت عمدہ حالت میں محفوظ ہیں۔
۸۔ ہر اخبار کی ابتداء میں ان شماروں کا حوالہ دیا گیا ہے، جو جرمنی میں موجود ہیں، اس کے بعد ان کے متعلق دیگر معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

اب ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جرمنی میں اردو اور فارسی کے یہ قدیم اخبارات کیسے پہنچے؟ اور اس کا ایک ہی جواب ہے اور وہ ہے "الوئس اشپرینگر"۔ انیسویں صدی عیسوی کا یہ معروف آسٹرین خاور شناس، برطانوی شہریت اختیار کر کے شعبۂ طب میں ملازم ہو کر کولکتہ پہنچا (۱۸۴۳ء)، دو سال بعد دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوا، لکھنؤ کے شاہی کتاب خانوں کی فہرست سازی پر مامور ہوا۔ کلکتہ واپسی پر ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے سیکرٹری کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ کولکتہ مدرسہ کا پرنسپل مقرر ہوا۔[۱۳] اپنے تیرہ سالہ قیام ہندوستان کے دوران میں عربی، فارسی اور اردو مخطوطات و مطبوعات کا بیش بہا ذخیرہ جمع کیا اور ۱۸۵۶ء میں اپنی نگرانی میں یہ نادر نجی کتاب خانہ جرمنی بھجوا دیا اور خود بھی مع بیوی بچوں کے ہائیڈل برگ پہنچ گیا۔ جاتے ہی اس نے اپنے قلمی اور مطبوعہ کتب کی ایک فہرست چھپوائی[۱۴] اور اس دور کے شاہی کتاب خانہ (برلین) کے ذمہ دار افراد سے اس کی فروخت کے لیے رابطہ قائم کیا۔ بالآخر چند ماہ کی ملاقاتوں کے بعد عربی، فارسی اور اردو خطی نسخوں اور مطبوعہ کتب کا یہ اہم کتاب خانہ خرید لیا گیا۔[۱۵]

اشپرینگر نے عربی، فارسی اور اردو مخطوطات اور انہی زبانوں کی مطبوعات (قبل از ۱۸۵۷ء) خود ہی برلین کے کتاب خانہ کو فروخت کر دیں[۱۶]، لیکن ان کے علاوہ مغربی زبانوں اور رسائل کی کثیر تعداد، نیز نجی دستاویزات،

مراسلات، لکھنؤ کے شاہی کتاب خانوں کی غیر مطبوعہ فہارس کے مسودات اور متفرق کاغذات کو اپنی وفات (۱۸۹۳ء) تک سنبھالے رکھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹوں نے ان کتب اور مجلات کی ایک فہرست تیار کرائی اور اس کی اشاعت (۱۸۹۶ء) کے بعد ہاتھ سے بیشتر کتابوں کے اضافے بھی کیے، جس کا ایک نسخہ ہائیڈل برگ یونی ورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہے۔[۱۷] ممکن ہے، انھیں فروخت کرنا مقصد ہو، لیکن لائبریری کے ریکارڈ میں ایسا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ برلین کے مرکزی کتاب خانے کے ریکارڈ ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء) سے قبل اشپرینگر کے بڑے بیٹے ہائنرخ نے اپنے والد کی تمام نجی دستاویزات وغیرہ برلین کے کتاب خانہ کو بطور تحفہ پیش کر دیں جو بڑے سائز کے آٹھ ڈبوں پر مشتمل تھیں اور انہی میں وہ اردو اور فارسی اخبارات بھی موجود تھے، جن کا سطور ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے، بذیل عنوان:

Staatsbibliothek Preussischer Kulturbesitz

Handschriftenabteilung

Nachlass Sprenger, K. 7, Fasz. 18,

Indische Zeitungen,

Auftragnummer: 84/592

ساتویں ڈبے میں یہ تمام اخبارات ایک بڑے لفافے میں محفوظ ہیں۔ جس میں ایک چھوٹے کاغذ پر یہ مرقوم ہے:

"Haller'sche Buchdrückerei in Bern"

اور

"Herrn Dr. jur. Heinr. Sprenger. Wabern bei Bern.[۱۸]"

قران السعدین

"اس نے [یعنی مصنف اشپرینگر] جب دیکھا کہ یہاں مغرب کے قدیم کلاسیکی دور کی معلومات پر حد سے زیادہ اصرار ہے اور مشرق کے متعلق کم توجہ ہے تو اس نے اپنی جوانی کے آغاز میں ارادہ کر لیا تھا کہ وہ خود کو تمام و کمال ایشیائی علوم کے لیے وقف کر دے گا۔ چناں چہ اس نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا کہ مشرقی ممالک میں جائے اور جہاں تک ممکن ہو، یورپی تہذیب کو وہاں روشناس کرائے اور مشرقی علوم اور اُن کے ادب کی صحیح معلومات یورپ تک پہنچائے۔[۱۹]

قران السعدین کے اجراء کے بارے میں وہ لکھتا ہے:

۱۸۴۵ء میں مَیں نے دلّی میں پینی میگزین ۲۰ کی طرز پر ایک باتصویر مؤقر رسالے کی بنیاد رکھی۔ اس کا نام قران السعدین تھا، گویا مشرق اور مغرب، مشتری اور زہرہ تھے، جن کا قران اس رسالے میں ہوا تھا۔ یہ اپنی قسم کی پہلی کوشش تھی۔ گیارہ سال بعد جب میں ہندوستان سے رخصت ہوا تو یہ دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی تھی کہ اس کی پیروی میں بارہ سے زیادہ رسالے نکل رہے تھے۔"[۲۱]

۱۸۴۶ء

نمبر ۲ (۱۱ مئی)، باہتمام سید قادر علی۔ نمبر ۴۳ (۱۹ اکتوبر)، باہتمام پنڈت دھرم ناراین

۱۸۴۷ء

جلد دوم نمبر ۲ (۱۱ جنوری)، باہتمام پنڈت موتی لعل۔ جلد نمبر ۳ (۱۸ جنوری)، باہتمام پنڈت دھرم ناراین۔ جلد ۲ نمبر ۴ (۲۵ جنوری)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۲ نمبر ۸ (۲۲ فروری)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۲ نمبر ۱۱ (۱۵ مارچ)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۲ نمبر ۱۳ (۲۸ مارچ)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۲ نمبر ۱۵ (۱۲ اپریل)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۲ نمبر ۴۶ (۱۵ نومبر)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۲ نمبر ۴۷ (۲۲ نومبر)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۲ نمبر ۴۹ (۶ دسمبر)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۲ نمبر ۵۰ (۱۳ دسمبر)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۲ نمبر ۵۱ (۲۰ دسمبر)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۲ نمبر ۵۲ (۲۷ دسمبر)، باہتمام ایضاً۔

۱۸۴۸ء

جلد ۳ نمبر ۳ (۱۷ جنوری)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۳ نمبر ۴ (۲۵ جنوری)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۳ نمبر ۸ (۲۱ فروری)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۳ نمبر ۹ (۲۸ فروری)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۳ نمبر ۱۰ (۶ مارچ)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۳ نمبر ۱۲ (۲۰ مارچ)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۳ نمبر ۱۴ (۱۳ اپریل)، باہتمام ایضاً۔

۱۸۵۰ء

جلد ۵ نمبر ۲ (۵ جنوری)، باہتمام پنڈت موتی لعل۔ جلد ۵ نمبر ۳ (۲۲ جنوری)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۵ نمبر ۴ (۵ فروری)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۵ نمبر ۵ (۱۲ فروری)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۵ نمبر ۶ (۱۹ فروری)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۵ نمبر ۷ (۲۵ فروری)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۵ نمبر ۹ (۱۲ مارچ)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۵ نمبر ۱۰ (۱۹ مارچ)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۵ نمبر ۱۱ (۲۶ مارچ)، باہتمام ایضاً۔ جلد ۵ نمبر ۱۳ (۹ اپریل)، باہتمام ایضاً۔

علاوہ ازیں قران السعدین کے نامکمل اور بلا تاریخ شمارے ہیں۔ ان میں ایک ناقص الاول ہے، صرف بعض مقامات کی خبروں کا حصہ محفوظ ہے (قیاساً ۱۸۴۷ء کا شمارہ)۔ ایک اور ناقص الاول شمارے کے ابتدائی چار صفحات کم ہیں۔ خبروں پر مشتمل صفحات باقی ہیں (اندازاً ۱۸۴۸ء کا شمارہ)۔ تیسرا شمارہ ناقص الطرفین ہے۔ درمیانی چند صفحات

موجود ہیں (غالباً ۱۸۴۸ء کا شمارہ)۔ ان کے علاوہ ایک ضمیمہ قران السعدین بھی ہے، جس میں ایک خبر کے نیچے یہ تاریخ درج ہے: ۱۲ اپریل ۱۸۴۸ء۔

قران السعدین کے ان ۳۲ شماروں کے مندرجات وغیرہ کے لیے دیکھیے راقم کا تفصیلی مقالہ، در: سویرا (لاہور)، ۶۷ (مارچ ۲۰۰۲ء)، ص (۱۱۰۔ ۱۴۸) اور ماسٹر رام چندر پر راقم کی انگریزی کتاب (مطبوعہ لاہور، ۲۰۲۱ء)، ص ۹-۴۴۔

ان شماروں میں چند ایسے بھی ہیں، جن میں اس دور کے شعرا مع نمونہ کلام اور علماء کے حالات قلم بند کیے گئے ہیں، مثلاً غالب، عارف، صدر الدین آزردہؔ، نظام الدین ممنون اور عبد اللہ العلوی۔ ان سوانحی مضامین کو غالب اور ان کے چندمعاصرین کے زیر عنوان الگ سے شائع کر دیا گیاہے۔ رک: معاصر (لاہور)، جلد ۱ شمارہ ۲ (اپریل تاجون ۲۰۰۱ء)، ص ۲۴۴-۲۷۳۔

اردو صحافت کے دور اول پر موجودہ تحقیقات کے مطابق قران السعدین کے متفرق شمارے بھارت کے ان کتاب خانوں میں دستیاب ہیں:

الف۔ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا (دہلی)

جلد ۳ نمبر ۱ (۳ جنوری ۱۸۴۸ء)، تا جلد ۳ نمبر ۲۶ (۲۵ دسمبر ۱۸۴۸ء)[۲۲]

ب۔ کتب خانہ مدرسہ محمدیہ، جامع مسجد، ممبئی

شمارہ اول (۴ جنوری ۱۸۴۸ء)، شمارہ ۳ (۱۷ جنوری ۱۸۴۸ء)، شمارہ ہفتم (۱۴ جنوری ۱۸۴۸ء) شمارہ دوازدہم (۲۰ مارچ ۱۸۴۸ء)، شمارہ سیزدہم (۲۷ مارچ ۱۸۴۸ء)[۲۳]

ج۔ ادارۂ ادبیات اردو، حیدر آباد دکن

جلد دوم (جولائی تا کیم نومبر ۱۸۴۷ء)، جنوری تا جون ۱۸۵۲ء، جنوری تا جولائی ۱۸۵۳ء۔[۲۴]

د۔ قاسم علی سجن لال کولیکشن، عثمانیہ یونی ورسٹی، حیدر آباد دکن

۹ اگست ۱۸۴۷ء، ۱۲ جنوری ۱۸۵۲ء، ۳۰ شمارہ ۱۸۵۴ء، ۱۴ نومبر ۱۸۵۴ء۔[۲۵] نیز رک: امداد صابری: تاریخ صحافت اردو۔ جلد اول، دہلی ۱۹۵۳ء، ص ۲۴۹۔۲۶۳ (امداد صابری)؛ مولوی ذکاء اللہ دہلوی: دہلی کے قدیم اردو اخبار (زمانہ، کانپور)، نومبر ۱۹۰۴ء، ص ۸۸ بعد۔___ "یہ اخبار بھی ۱۸۴۵ء یا ۱۸۴۶ء میں جاری ہوا اور ۱۸۵۸ء میں بند ہوا۔ سب سے پہلے اس کے ایڈیٹر دھرم نرائن تھے جو نامور میر منشی رزیڈنٹ اندور تھے... ان

کے بعد پنڈت موتی لال ایڈیٹر ہوئے۔ ان کو انگریزی زبان میں ایسا تکیہ تھا کہ بہت کم ہندوستانیوں کو ہوتا ہے۔ ان کے بعد مولوی کریم بخش ایڈیٹر۔ ان کے بعد مولوی خواجہ ضیاء الدین۔"

عمدۃ الاخبار بابت ۲۷ ستمبر ۱۸۴۷ء، برٹش لائبریری، لندن: "بہ دانست ہماری پرچہ قران السعدین اخبارات ہندوستانی میں درجہ اول نہیں رکھتا ہے"...اسی اخبار کے مہتمم نے قران السعدین پر دو اعتراض کیے ہیں: اول یہ کہ اس میں تصاویر کی چھپائی کا معیار اچھا نہیں اور دوم یہ کہ اس میں انگریزی حکومت کی ہر جائز اور ناجائز پالیسی کی تائید کی جاتی ہے۔ اس کے بقول "ہم سلطنت انگریزی کی جبھی تک حمایت کریں گے، تب تک وہ باعدل اور انصاف ہے،(مجلاتی صحافت دہلی میں، قران السعدین سے شروع ہوئی۔" (صحافت از عبدالسلام خورشید، در: تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند۔ آٹھویں جلد، اردو ادب (سوم) ۱۸۰۳ء- ۱۸۵۷ء، لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۳۲۲؟ دہلی کالج کی علمی خدمات، از ممتاز منگلوری، ص ۸۶-۹۷؛ عبدالسلام خورشید: صحافت پاکستان و ہند میں۔ لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۱۳۳-۱۳۴ (طبع دوم، ۲۰۲۰ء)؛ مزید تفصیلات کے لیے رک:

"The Native Press in the North Western Provinces" (The Friend of India (Serampur),Nov. 23, 1848, pp. 740-742, "Newspapers of Delhi", Sep. 24 (1846), p. 613).

Remarques sur l'état de l'institution publique à Lakhnau, capitale de royaums d'Aoude; extrait du *Qiran al-Sa'dain*, a journal hindoustani de Delhi; traduit par Garcin de Tassy (Revue de l'Orient, n. s. 1 (1855), pp. 345-348); K. Sajun Lal: "The last phase of the siege of Multan based entirely upon the issues of *Qiran-us-Sadain* (Dec. 1848 and Jan. 1849)." (Journal of Indian History, 29 (1951), pp. 267-276); Gail Minault: "Qiran us-Sa'adain. The Dialogue between Eastern and Western Learning at Delhi College". (in: Perspectives of Mutual Encounters in South Asian History, 1760-1860. Ed. Jamal Malik. Leiden 2000, pp. 260-277).

("Unfortunately very few copies of this journal have survived and those in very fragile condition. I have seen a few issues from 1849 and 1853 in the Sajun Lal collection of newspapers at Osmania University, Hyderabad", p. 99, f.n. 8).

فواید الناظرین

باہتمام رام چندر، مدرس مدرسہ علوم انگریزی دہلی از مطبع العلوم

جلد ۶ نمبر ۱ (۵ جنوری ۱۸۵۱ء)

جلد ۶ نمبر ۲ (۲۰ جنوری ۱۸۵۱ء)

سنہ اجراء ۱۸۴۵ء، پرنسپل اشپرینگر کی تجویز پر۔ پندرہ روزہ، ۱۸۵۲ء کے آخر میں بند ہو گیا۔ زیادہ تر سائنسی اور ادبی موضوعات پر مضامین لکھے جاتے تھے۔ اشپرینگر اور قادر علی بھی ان میں شامل تھے۔ تصاویر، نقشہ جات وغیرہ شائع کیے جاتے، جو زیادہ تر لندن ویکلی ٹائمز سے لیے جاتے۔ ایک شمارے میں قسطنطنیہ میں زلزلے کی تباہ کاریوں کا ذکر ہے اور کولکتہ کی مغربی جانب ریلوے لائن بچھانے کی اطلاع دی گئی ہے۔

رام چندر نے ایک مضمون "حال علوم اسلامیہ کا ہندوستان میں" کے عنوان کے تحت لکھا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں اسلام ایران اور فارسی زبان کے ذریعے پہنچا۔ بیشتر حکمران ترک تھے، لیکن وہ تحریر و تقریر میں فارسی زبان استعمال کرتے تھے۔ مضمون نگار عربی قواعد کے احیاء اور حدیث اور فقہ جیسے اسلام کے بنیادی مقاصد کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔[۲۶]

اشپرینگر کی مرتبہ تاریخ سندھ، فارسی (؟) کا اردو ترجمہ از شہامت علی اور منشی اشرف علی واسطی، نائب مدیر رسالہ ہٰذا، کشمیر پر مقالہ اسی میں بالاقساط شائع ہوتا رہا۔[۲۷]

رام چندر خود اس مجلہ کے بارے میں لکھتا ہے:

> "I with the assistance of the higher students of the English and Oriental Departments, formed a society for the diffusion of knowledge among our countrymen. We were ambitious enough to imitate the plan of the Spectator. We first commenced a monthly, and then a bi-monthly periodical, called the *Fawaid-an-nazrin* (i.e. useful to the readers), in which notices of English science were given, and in which not only the dogmas of Mahomedan and Hindu philosophy exposed, but also many of the Hindu superstitions and idolatories were openly attacked. The result of this was that many of our countrymen, the Hindus, condemned us as infidels and irreligious; but as we did not advocate Christianity, but only recommended a kind of desire, and as we never lost our cast publicly, by eating and drinking, all our free discussions did not much alarm our Hindu friends."[۲۸]

فواید الناظرین (۱۸۴۹ء) کے کچھ شمارے پنجاب یونی ورسٹی لائبریری میں محفوظ ہیں، جن کا ذکر اردو صحافت کے کسی مؤرخ نے نہیں کیا۔ یہ بھی ماسٹر رام چندر ہی کے زیر ادارت شائع ہوئے۔ ان شماروں کے مندرجات کا مختصر ذکر درج ذیل ہے:

نمبر سوم جلد چہارم (فروری ۱۸۴۹ء)

"غزل تصنیف فراسو صاحب"۔ اس جرمن اردو شاعر کی غزل کا مطلع

جو معرکہ الفت بھی میں تیری ہم سے نہ ہو گا
ہے ہم کو یقیں وہ کبھی عالم سے نہ ہو گا

کل اشعار ۱۹۔

۵ فروری ۱۸۴۹ء۔ بذیل اشتہار:

شایقان عربیہ کو مژدہ ہو کہ ان ایام میں مولوی کریم الدین صاحب نے ایک شرح مقامات حریری کی سہل ترین الفاظ عربی میں مذہّب و مختصر اور بہت مفید طیار کی اور پھر بہ ہدایت گورنمنٹ آگرہ کے چند نسخوں سے اصل یعنی متن کا مقابلہ کیا۔ بعد از آن اوس نسخہ سے جو دارالریاست فرانس میں چھاپا گیا تھا، مقابلہ کیا۔ اوس وقت معلوم ہوا کہ اب تک جتنے نسخے ہندوستان میں مقامات حریری کے پھیلے ہوئے ہیں، اون سب سے یہ نسخہ زیادہ صحیح ہے، لہٰذا وہ متن اس شرح میں داخل کیا گیا...

نمبر ۶ جلد چہارم (۱۹ مارچ ۱۸۴۹ء)

اشتہار کتاب بر حالات شہنشاہاں و فضلائے و حکمائے یونان و روم و عرب و ایران وغیرہ از ماسٹر رام چندر، جو ان دنوں نصف کے قریب چھپ چکی تھی۔

نمبر ۸ جلد چہارم (۱۶ اپریل ۱۸۴۹ء)

مضمون بعنوان، باعث ہمیشہ مغلوب رہنے ہندوستان کے۔

اس سے قبل از مہتمم: "جواب مضمون مرقومہ ذیل کریم بخش صاحب طالب علم جماعت اول عربی مدرسہ دہلی نے لکھا ہے۔ واقع میں یہ مضمون نہایت خوب لکھا ہے۔ اس کے پڑھنے سے راقم کی تیزی عقل اور ذکاوت ذہن اور واقف ہونا علم تواریخ سے معلوم ہو جائے گا۔

مضمون بعنوان، غرور کے نقصان۔ اس سے قبل "اظہار مہتمم"

جواب مضمون درباب غرور کے لکھا ہوا ضیاء الدین احمد کا ہے۔ یہ صاحب بہت ذکی اور طبع فہیم اور سلیم رکھتے ہیں اور طالب علم دوم عربی کے ہیں...

نمبر ۹ جلد چہارم (۳۰ اپریل ۱۸۴۰ء)

چھے کالموں کا مضمون، جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مدرسہ دہلی کے طلباء ملازمت کے لیے زیادہ مستحق ہیں۔

نمبر ۱۳ جلد چہارم (۲۵ جون ۱۸۴۹ء)

"کتاب عجیب و مفید مسمی تذکرۃ الکاملین۔"

نمبر ۱۴ جلد چہارم (۹ جولائی ۱۸۴۹ء)

اشتہار ضیاء الاخبار باہتمام شیخ محمد ضیاء الدین دہلوی خلف شیخ محمد بخش، مدرسہ دہلی کے اعلیٰ اسکالر۔ ہفتہ وار

نمبر ۱۷ جلد چہارم (۲۰ اگست ۱۸۴۹ء)

بذیل اشتہار: ایک کتاب احکام و معاملہ جات سرکار انگریزی کی بحکم لفٹنٹ گورنر بہادر انگریزی میں ۱۸۴۳ء میں طبع ہوئی تھی۔ اس کا اردو ترجمہ رام چندر نے کیا۔

نمبر ۱۸ جلد چہارم (۳ ستمبر ۱۸۴۹ء)

اشتہار پنج آہنگ از غالب

نمبر ۲۰ جلد چہارم (یکم اکتوبر ۱۸۴۹ء)

رسالہ سریع الفہم از رام چندر (ریاضیات) کا اشتہار۔

نمبر ۲۶ جلد چہارم (۲۴ دسمبر ۱۸۴۹ء)

اودھ کے شاہ جن کا قصہ بعنوان خبر عجیب و غریب لکھنؤ۔

فوائد الناظرین کے دیگر شماروں اور مزید تفصیلات کے لیے رجوع کیجیے -رک:

عرشی رامپوری، ص ۴۶-۴۸؛ امداد صابری، ۱: ۸؛ طاہر مسعود، ص ۲۲۱-۲۲۹؛ صاحب علی خاں: قدیم دلّی کالج کی صحافتی خدمات (نوائے ادب، اپریل ۱۹۹۳ء، ص ۴۵ - ۶۰)؛ قادر علی (انگریزی)، ص ۱۳۶ -۱۷۳)؛ K. Sajun Lal: "A few newspapers of Pre-Mutiny Delhi" (Indian Historical Records Commission, Proceedings, vol. xix, pp. 128-132=I.H.R.C.); Ibdi.: "Professor Ramchandar as an Urdu Journalist", (Islamic Culture, Jan.-April 1849, pp. 22-36).

معیار الشعراء

باہتمام تصحیح و ترتیب منشی ابوالحسن مدرس اول مدرسہ فارسی آگرہ، مطبع اسعد الاخبار میں قمر الدین خاں نے چھاپا۔

دیوان، اول نمبر، اول (۲۶ نومبر ۱۸۴۸ء)

اردو شاعری میں مشاعرے کی روایت خاصی پرانی ہے، جو ہماری ادبی زندگی کا حصہ بن گئی ہے۔ ایک زمانہ تھا، جب اصحاب علم و ادب کے گھروں میں طرحی اور غیر طرحی مشاعرے ہوتے تھے۔ ان میں شعرا اپنا تازہ کلام سناتے اور سامعین سے داد وصول کرتے۔ کچھ دیر تک یہ کلام لوگوں کی زبان پر رہتا، پھر ذہنوں میں محفوظ ہوتا اور رفتہ رفتہ بھول جاتا۔ بعد میں اگر کسی شاعر کا دیوان یا کلیات طبع ہوتا تو اس میں مشاعروں میں پڑھا جانے والا کلام بھی شامل کر دیا جاتا، چناں چہ مشاعروں کے ایسے کلام کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے انیسویں صدی عیسوی کے وسط سے

چند سال پیشتر یہ اہتمام کیا گیا کہ اسے شعرا کے یک سطری سوانحی کوائف کے ساتھ مختصر رسالے کی شکل میں طبع کیا جانے لگا۔ عام طور پر ایسے رسالے کو اردو ادب کی تاریخ میں "گلدستہ" کا نام دیا جاتا ہے۔

اس انداز کا پہلا گلدستہ جاری کرنے کا سہرا مولوی کریم الدین پانی پتی کے سر ہے۔ ان کے گلدستہ کا عنوان گلِ رعنا تھا، جو انھوں نے دہلی (مطبع رفاہ عام حوض قاضی) سے ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء میں جاری کیا۔[۲۹] یہ پندرہ روزہ تھا اور اس کے صفحات کی تعداد ۳۲ تھی۔ مولوی کریم الدین اپنے گھر پر مہینے میں دو بار محفل مشاعرہ منعقد کراتے۔ اس میں جو شعرا شریک ہوتے اور اپنی تازہ فارسی یا اردو غزلیں پیش کرتے وہ انھیں ہر شاعر کے مختصر تعارف کے ساتھ اس گلدستہ میں شائع کر دیتے۔ ان کے ایک ایسے ہی مشاعرے میں مرزا فرحت اللہ بیگ نے دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ جیسی کتاب کی بنیاد رکھی۔ مولوی کریم الدین خرابیِ حالات کے باعث چار ماہ سے زیادہ یہ محفل مشاعرہ جاری نہ رکھ سکے اور اس گلدستے کے سات یا آٹھ شمارے نکالنے کے بعد اسے بند کر دیا۔
۳۰

مولوی کریم الدین کے جاری کردہ گلِ رعنا کے بعد جو گلدستہ شائع ہوا، اس کا نام معیار الشعراء تھا۔ اس کے اجراء کنندہ بھی منشی محمد ابوالحسن فرید آبادی، مدرس شعبہ فارسی (آگرہ کالج) تھے۔ اردو کا اولیں مجموعۂ اشعار گلِ رعنا اس وقت اشاعت پذیر ہوا، جب منشی ابوالحسن دہلی کالج میں زیر تعلیم تھے۔ ممکن ہے انھیں ایسے گلدستے کی اشاعت کا خیال گلِ رعنا ہی سے ذہن میں آیا ہو، لیکن وہ اپنے اس خیال کو اس وقت عملی صورت دے سکے، جب آگرہ کالج میں ان کے قدم مضبوطی سے جم گئے اور وہاں کے علمی و ادبی حلقوں میں ان کا نام متعارف ہو گیا، چناں چہ انھوں نے بھی مولوی کریم الدین کے تتبع میں اپنے ہاں محفل مشاعرہ منعقد کرانے کا اہتمام کیا۔ یہ محفل بھی پندرہ روزہ تھی اور اس میں شہر کے تمام جانے پہچانے فارسی اور اردو شعرا شریک ہوتے اور اپنا تازہ کلام سناتے۔ یہ مشاعرے بالعموم طرحی ہوتے تھے اور ہر محفل کے اختتام پر اگلے مشاعرے کے لیے فارسی اور اردو کے طرحی مصرعے دیے جاتے۔ آگرہ کے علاوہ دیگر نواحی شہروں میں جو معروف شعرائے کرام تھے، ان سے بھی اپنا کلام بھیجنے کی فرمائش کی جاتی۔ ان کی ارسال کردہ غزلیں بھی ان مشاعروں میں پڑھ کر سنائی جاتیں۔ ان مشاعروں میں موجود سامعین تو ان شعرا کے کلام سے لطف اندوز ہو سکتے تھے، لیکن جو اصحاب شریک نہیں ہو سکتے تھے، وہ اس سے محروم رہ جاتے تھے، چناں چہ ان غیر موجود لوگوں تک مشاعرے میں پڑھے جانے والے کلام کو پہنچانے کے لیے منشی ابوالحسن نے اس گلدستے کی اشاعت کا اہتمام کیا۔

ابوالحسن نے اس طرح کی پہلی محفل مشاعرہ آگرہ میں اپنے گھر پر ۱۹ نومبر ۱۸۴۸ء کو منعقد کی اور اس میں جو فارسی اور اردو غزلیں پڑھی گئیں، انھیں معیار الشعراء کے پہلے شمارے میں شائع کر دیا۔ ابھی تک تاریخ

صحافت اردو کے محققین اس گلدستے کے پہلے شمارے کے سنۂ اجراء کا تعین نہیں کر سکے۔ ابوالحسن اسے ۲۱ نومبر ۱۸۴۸ء کو شائع کرانے کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور یہ گلدستہ پہلی بار ۲۱ نومبر کے بجائے ۲۶ نومبر ۱۸۴۸ء بروز یک شنبہ جاری ہوا۔ اس سے قبل ابوالحسن گلدستہ کا نام، اس کے مندرجات، اس کی قیمت اور اس کے مطبع کا فیصلہ کر چکے تھے اور اس کے متعلق چند معاصر اخبارات میں اس کا اشتہار بھی دے چکے تھے۔ دہلی کالج کے اخبار فوایدالناظرین (بابت ۱۷ نومبر ۱۸۴۸ء) میں جو اشتہار طبع ہوا، وہ درج ذیل ہے:

> واضح ہو کہ تفریح طبائع کے واسطے پندرویں روز مجلس مشاعرہ راقم کے مکان میں منعقد ہوتی ہے، چوں کہ سب اضلاع کے رئیس اس سے حظ حاصل نہیں کر سکتے، لہٰذا راقم کو یہ منظور ہے کہ ہر مشاعرہ کی غزلیں ایک دو ورقہ [پر] مثل اخبارات کے طبع ہوا کریں۔ اور چونکہ بعض شعرا علم عروض و قافیہ سے کم ماہر ہوتے ہیں، اس لحاظ سے نصف اخیر صفحے میں اس کا بیان ہے [تا] کہ خریدار علم عروض و قافیہ سے واقف ہو جاویں اور شدہ شدہ ایک تذکرہ شعرائے حال کا، بہ سبب اس کے کہ شروع غزل میں حال مختصر شاعر کا مندرج ہو گا، تیار ہو جائے گا اور بہ نظر رفاہ عام چار آنے ماہواری جو کہ صرف کاغذ اور چھپائی کے واسطے تھا، قیمت اس کی مقرر کی۔ ہاں اگر غزلیں زیادہ ہوں گی اور پرچہ اس قدر بڑھ جاوے کہ اس کے صرف کے واسطے وہ قیمت کافی نہ ہو، تو فی ورق کچھ مناسب قیمت زیادہ کرنی پڑے گی اور مصرع طرح مشاعرہ آیندہ کا اس کے اخیر میں طبع ہو گا۔ لہٰذا یہ اشتہار دیا جاتا ہے کہ جس صاحب کو اس پرچہ موسوم بہ معیار الشعراء کا خریدنا منظور ہو تو درخواست اپنی راقم کے پاس مدرسہ آگرہ میں ارسال فرماویں اور محصول ذمہ خریدار ہو گا۔ یہ پرچہ بتاریخ ۲۱ نومبر بروز سہ شنبہ کے طبع ہو گا۔ مورخہ ۱۱ نومبر ۱۸۴۸ء۔ فقط۔ العبد ابوالحسن مدرس فارسی مدرسہ آگرہ۔[۳۱]

اس اشتہار کے نیچے فوایدالناظرین کے مہتمم ماسٹر رام چندر نے زیر عنوان "رائے مہتمم" یوں اظہار خیال کیا ہے:

> حقیقت میں یہ پرچہ مسمی معیار الشعراء جو مولوی صاحب کی کوشش سے جاری ہو گا، نہایت خوب ہو گا۔ اور اس علم کے درباب میں اب تک کوئی پرچہ نہیں نکلا تھا۔ اور قیمت بھی انہوں نے نہایت کم کر رکھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولوی ابوالحسن صاحب مہتمم اس پرچہ کے بہت عاقل اور سنجیدہ آدمی ہیں۔ جس کسی صاحب کو اس پرچہ کی خریداری منظور ہو تو ایک درخواست بنام مولوی صاحب ممدوح کے مدرسہ آگرہ میں یا اس نیاز مند کے پاس بھیج دیں۔ فقط الراقم مہتمم فوایدالناظرین۔[۳۲]

آگرہ کے مطبع اسعد الاخبار سے یہ گلدستہ طبع ہوتا تھا۔ اسعد الاخبار میں بھی متذکرۂ بالا اشتہار سے ملتا جلتا اشتہار شائع ہوا (بابت ۱۸ نومبر ۱۸۴۸ء)، جو درج ذیل ہے:

خلاصہ اشتہار

مرسلہ جناب منشی محمد ابوالحسن میر منشی مدرسہ اکبر آباد، مدرس اول درجہ فارسی۔

> واضح ہو کہ ایک مجلس مشاعرہ کی پندرہویں روز راقم کے مکان پر ہوتی ہے اور اکثر غزلیں شعرا کی اور اصلاع سے بھی مشاعرہ میں آتی ہیں۔ راقم نے یہ تجویز کیا کہ وہ نتائج وافکار تازہ شعرا جو مشاعرے میں پڑھے جاتے ہیں، قالب طبع میں بھی آیا کریں، تاکہ سخن سنجان امصار و دیار اوس کے ملاحظہ سے محظوظ ہوا کریں اور ہر ایک شاعر کی طباعی کا حال ہر کہ دمہ کو معلوم ہو۔ اور چونکہ بعضے شاعر علم عروض و قافیہ سے کم واقف ہوتے ہیں، اس نظر سے اوس کے اخیر صفحہ کے آخر میں اوس کا بھی بیان ہو۔ اور چار آنہ ماہواری اوس کی قیمت صرف کاغذ اور چھاپہ کے لیے مقرر کی۔ آیندہ اگر غزلیں زیادہ ہوں گی اور اس دوورقہ جو بالفعل مطبوع ہو کر تقسیم ہوا کرے گا، اون کی گنجائش نہ ہوگی تو پرچہ کا حجم زیادہ کیا جائے گا اور اوراق زائدہ کی بابت فی ورق کچھ قیمت بڑھادی جائے گی۔ اور مصرع طرح مشاعرۂ آئندہ کا اوس کے آخر میں چھاپا جائے گا کہ ناظرین اور خریدار بے تکلف اوس سے اطلاع پاکر اوس زمین میں غزل کہہ کر بھیج دیا کریں۔ اور غزل وخط بھیجنے میں طریقہ پوسٹ پیڈ بھیجنے کا مسلوک رکھیں اور راقم کو ہر بزرگوار کے خط و غزل کا محصول دینے میں بڑی زیر باری ہوگی اور اس کا متحمل نہ ہوسکے گا۔ لہٰذا یہ اشتہار دیا جاتا ہے کہ جس صاحب کو خریدنا اوس پرچہ موسوم بہ معیار الشعراء کا منظور ہو، درخواست اپنی راقم کے پاس مدرسہ اکبر آباد میں ارسال کریں۔ اور محصول اوس پرچہ کا خریدار کے ذمہ ہوگا۔ اور وہ پرچہ لطافت آمیز مطبع اسعد الاخبار میں چھپا کرے گا۔ العبد محمد ابوالحسن مدرس اول فارسی مدرسہ اکبر آباد۔[۳۳]

منشی ابوالحسن نے معیار الشعراء کے پہلے شمارے میں جو غزلیں شامل کیں، وہ اس محفل مشاعرہ میں پڑھی گئیں، جو انھوں نے اپنے گھر پر ۱۹ نومبر ۱۸۴۸ء کو منعقد کی تھی۔ اس مجلس کی روداد اسعد الاخبار (بابت ۲۰ نومبر ۱۸۴۸ء) میں یوں بیان ہوئی ہے:

> ۱۹ نومبر کو وقت شب منشی سید ابوالحسن صاحب مدرس اول درجہ فارسی مدرسہ آگرہ کے مکان پر محفل مشاعرہ منعقد ہوئی۔ آگرہ کے اکثر اہل سخن عالی طبع جمع ہوئے اور سب نے اپنا کلام سنا کر اہل محفل کو محظوظ کیا۔ ایک عجیب جلسہ جانفزا تھا اور کلام شعرا نہایت دلربا۔ پرچہ معیار الشعراء جو ہفتہ آئندہ میں طبع ہو گا، اس کے ملاحظہ سے ہر سخن فہم حظ وافر اٹھائے گا۔ فقط۔[۳۴]

معیار الشعراء کا پہلا شمارہ ۲۶ نومبر ۱۸۴۸ء کو منظر عام پر آیا اور اس کے ایک دن بعد یعنی ۲۷ نومبر کو اسعد الاخبار میں اس کے متعلق یہ خبر شائع ہوئی:

> مطبع اسعد الاخبار: مجموعہ اشعار موسوم بہ معیار الشعراء جو منشی ابوالحسن صاحب مدرس اول مدرسہ سرکار نے واسطے ترقی شوق نظم و نثر کے جاری فرمایا ہے، کل کے دن ۲۶ نومبر کو اس مطبع سے بہ اجازت منشی صاحب موصوف چھاپا گیا۔ یہ ایک عجیب مجموعہ سرور افزا ہے۔ جو دیکھتا ہے، بڑا حظ اٹھاتا ہے۔ فقط۔[۳۵]

اردو صحافت کے محققین اور مؤرخین بالخصوص مولانا امداد صابری صاحب اور محمد عتیق صدیقی[۳۶] نے معیار الشعراء کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں، وہ ثانوی مآخذ پر مبنی ہیں، یعنی انھیں ہم عصر اخبارات (فواید الناظرین، قران السعدین اور اسعد الاخبار) یا اس دور کی سرکاری رپورٹوں سے جو تفصیلات حاصل ہوئیں، ان کی بنیاد پر انھوں نے اس گلدستے کے متعلق چند باتوں کا ذکر کیا ہے۔ انھیں باوجود کوشش کے اس گلدستے کا کوئی بھی شمارہ دستیاب نہ ہو سکا، چناں چہ مولانا امداد صابری صاحب خود بھی اس کا یوں اقرار کرتے ہیں:

> ۱۸۴۸ء میں آگرہ سے ایک دوسرا گلدستہ معیار الشعراء کے نام سے ظہور پذیر ہوا جو مہینے میں دو بار نکلتا تھا۔ میرا یہ کہنا اصول تحقیق کے مطابق نہیں ہے کہ معیار الشعراء آگرہ کا دوسرا گلدستہ ہے۔ ممکن ہے کہ گل رعنا کے بعد ۱۸۴۷ء تک ملک کے کسی حصہ میں گلدستہ نکلا ہو۔ معیار الشعراء گلدستہ کی بھی صورت ہم نے نہیں دیکھی۔[۳۷]

جرمنی کے مرکزی کتاب خانہ کے "ذخیرۂ اشپرینگر" میں معیار الشعراء کے پہلے شمارہ (بابت ۲۶ نومبر ۱۸۴۸ء) کے کچھ کوائف قارئین کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

یہ شمارہ دو ورق یعنی چار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے دائیں بائیں "نمبر اول، دیوان اول" درج ہے۔ اس کے ساتھ سنۂ اجراء یعنی "مورخہ ۲۶ نومبر ۱۸۴۸ء روز یک شنبہ" مرقوم ہے اور اس کے نیچے یہ صراحت کی گئی ہے کہ "یہ پرچہ مہینے میں دو بار چھپتا ہے، قیمت اوس کی چار آنہ ماہواری اور محصول ڈاک بذمہ خریدار" ابتدا میں زیر عنوان اظہار یہ عبارت درج ہے:

> واضح ہو کہ تقدیم و تاخیر شعرا کے کلام کی باعتبار حروف تہجی اون کے تخلصوں کے معتبر کی گئی۔ اس واسطے کہ اگر اون کے کلام کے رتبہ پر نظر کی جاتی تو ترتیب میں ہر ایک کی گفتگو باقی رہتی۔ جو صاحب کہ فہیم اور ذکی الطبع ہیں، ہر ایک کے مرتبہ شاعری کو اوس کے کلام سے دریافت کر لیں گے اور اس پرچہ میں غزل، غیر طرح مطبوع نہ ہوگی۔ مگر جب کہ کوئی ضرورت خاص اہل کمیٹی اور مہتمم کی رائے میں متصور ہو۔

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس گلدستے کی ادارتی ذمہ داریاں تو ابوالحسن ہی کے پاس تھیں، لیکن اس کے انتظام و انصرام، مختلف شعرا سے کلام کے حصول اور اس کی ترتیب جیسے امور کے لیے ایک کمیٹی بھی بنائی گئی تھی۔ اس کمیٹی کے کون کون سے ارکان تھے، اس کے متعلق موجودہ شمارے سے کوئی مدد نہیں ملتی۔

اس کے بعد ان فارسی اور اردو شعرا کی غزلیں درج ہیں، جو ۱۹ نومبر کے اس مشاعرے میں شریک ہوئے، جو ابوالحسن نے اپنے گھر پر کرایا تھا یا جن شعرا نے ابوالحسن کی فرمائش پر اپنا کلام بھیجا تھا۔ فارسی شعرا میں سید جعفر علی بیتاب اکبر آبادی طالب علم مدرسہ آگرہ، رائے ہر گوپال تفتہ متوطن سکندر آباد، مرزا محمد اکبر خاور سیستانی، سید سعادت علی سعید اکبر آبادی، حافظ رحیم اللہ صبا اکبر آبادی، چرنجی لال طالع فرخ آبادی منشی اردو آگرہ کا، قمر الدین

خاں قمر اکبر آبادی مہتمم اسعد الاخبار، منشی پچھی چند مدہوش بریلوی وکیل صدر دیوانی، رائے درگا پرشاد نشاط سکندر آبادی اور منشی سہائے وقفی متوطن میرٹھ وکیل صدر دیوانی شامل ہیں، جب کہ اردو شاعروں میں مرزا احمد علی بیگ اعظم الہ آبادی محرر صدر دیوانی، عبدالرحمن انصاف اکبر آبادی ملازم راجہ بنارس، بیتاب، حافظ، بلاقی زر اکبر آبادی سادہ کار، سعید، طالع، مشتاق حسین مشتاق شاگرد و مرید حضور والائے دہلی، مرزا احمد علی بیگ مشفق اکبر آبادی، امین الدین مشکل اکبر آبادی ملازم مدرسہ آگرہ اور مرزا کلب حسین خاں نادر الہ آبادی ڈپٹی کلکٹر اٹاوہ کے نام شامل ہیں۔ فارسی غزلیات کے حصے میں ابوالحسن نے ایک مختصر تعارفی نوٹ کے ساتھ اپنی یہ فارسی غزل بھی درج کی ہے:

”شیدائی، ابوالحسن متوطن فرید آباد ضلع دہلی

کوفتہ بہ سینہ کز تیغ عشقش چاک نیست
خونچکاں بہ دیدۂ کو درغمش نمناک نیست
گو سر خود گیر و غیر از عشق بازی پیشہ جو
ہر کہ در میدان عشقش ہمچو گو چالاک نیست
می طپد در سینہ ام دل تا چرا چون دیگراں
از کشاد تیرمژگانش طپاں بر خاک نیست
عاشقاں را میدہد فتراک قاتل آبرو
خاک باد آں سر کہ آب درویش از فتراک نیست
خرقہ ام ازبادہ گر آلودہ شد عیبم مکن
قدسیاں را نیز در میخانہ دامن پاک نیست
گر نیابی بوسہ از دشنام تلخش روستاں
زہر او اندر مذاق ما کم از تریاک نیست
تیغ خونریز اجل گو ہست مشہور جہاں
ہمچو ترک غمزہ ات مردم کش و بیباک نیست
مے پرستی بود شیدائی کہ از دنیا گذشت
زانکہ بر خاک مزارش سبزۂ جز خاک نیست

اردو غزلیات کے خاتمے پر یہ نوٹ تحریر کیا گیا ہے:

> محفل مشاعرہ ہٰذا ۱۹ نومبر بروز یکشنبہ کو منعقد ہوئی تھی اور مشاعرہ آئندہ نویں ماہ دسمبر کی شام کو ہو گا۔ اور ضرورت ایک ہفتہ زیادہ کرنے کی روز معین سے اس واسطے ہوئی کہ روز مشاعرہ عشرہ محرم الحرام میں داخل تھا۔ [۳۸]

اس کے ساتھ ہی اگلے مشاعرے کے لیے فارسی اور اردو کے یہ طرحی مصرعے دیے گئے:

ع　　رزق زمیں کند ستم آسماں مرا

ع　　ایک چکر ہے میرے پاؤں میں زنجیر نہیں

منشی ابوالحسن نے معاصر اخبارات میں معیار الشعراء کا جو اشتہار چھپوایا تھا، اس میں یہ وضاحت بھی کی گئی تھی کہ ہر شمارے کے آخری صفحے کے نصف حصے پر علم عروض و قافیہ کے بارے میں بنیادی معلومات درج کی جائیں گی۔ اس پہلے شمارے میں ”علم عروض“ کا عنوان قائم کیا گیا ہے اور اس کے تحت اس علم کے حوالے سے جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ سطور ذیل میں منقول ہے۔ ظاہر ہے، یہ مضمون مہتمم یعنی منشی ابوالحسن کا تحریر کردہ ہے اور اسے ان کی ایک نایاب اردو تحریر کی حیثیت سے من و عن یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

> شعر منطقین کے نزدیک کلام مخیل موزوں ہوتا ہے اور جمہور شعرا کی اصطلاح میں شعر کلام موزوں مقفی کو کہتے ہیں اور کلام اون الفاظ کو کہتے ہیں کہ حروف سے مرکب ہوں اور باعتبار وضع کے معانی مقصودہ پر دوبارہ شائع کرتے ہیں۔

غالباً ان دونوں اصحاب کی زیر نگرانی یہ پرچہ ۱۸۵۶ء تک جاری رہا۔ اس کے ایک سال بعد ۱۸۵۷ء کے ہول ناک ہنگاموں کے باعث تباہی و بربادی کی ایسی لہریں اٹھیں کہ بہت سے تہذیبی آثار کو بھی اپنے ساتھ بہا کر لے گئیں۔ اس طوفان خیزی میں ایسے بہت سے رسالے اور اخبارات ختم ہوگئے۔ جن مطابع سے یہ شائع ہوتے تھے، وہ بھی تباہ ہوگئے اور ان کے مالکان ناگفتہ بہ حالات کا شکار ہوئے۔ متعدد اخبارات و جرائد ایسے معدوم ہوئے کہ پھر ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا، لیکن بعض رسائل ایسے سخت جان ثابت ہوئے کہ ایک دو برس غائب رہنے کے بعد پھر جاری ہونے لگے۔ انھی سخت جان پرچوں میں ایک معیار الشعراء بھی تھا لیکن اب اس کا مطبع اور مالک دونوں تبدیل ہو چکے تھے۔ ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک یہ گلدستہ منشی قمر الدین قمر ہی کے مطبع اسعد الاخبار سے چھپتا رہا۔ تقریباً نو برس کے اس عرصے میں مہتمم تو بدلتے رہے، لیکن پریس وہی رہا۔ اب یہ آگرہ کے ایک اور مطبع مفید الخلائق سے چھپنا شروع ہوا۔ شاید مطبع اسعد الاخبار جنگ آزادی کے ہنگاموں کی نذر ہو گیا اور قمر اکبر آبادی میں اتنی سکت نہ رہی کہ وہ اسے دوبارہ شروع کر سکیں۔ مطبع مفید الخلائق کے مالک کا نام منشی شیو نرائن آرام تھا۔ اسی مطبع سے ایک رسالہ

تاریخ بغاوت ہند بھی شائع ہوتا تھا، جس کے ایک شمارے (بابت جولائی ۱۸۵۹ء) میں معیار الشعراء کا یہ اشتہار دیا گیا:

> مخفی نہ رہے کہ اس مطبع سے ایک پرچہ اشعار پندرہویں روز جاری ہوتا ہے۔ اس میں غزل ہائے طرح مشاعرہ جو آگرہ میں ہوتا ہے اور ہر طرح اور استادان حال و قدیم کی طبع ہوتی ہیں۔ قیمت اس کی چار آنہ ماہواری ہے اور خریداران مفید الخلائق کو نصف قیمت پر ملتا ہے۔ جو صاحب شوق خریداری رکھتے ہوں، اپنی درخواست مطبع مفید الخلائق میں روانہ کریں۔[۳۹]

منشی شیو نرائن آگرہ کے رہنے والے تھے۔ دہلی کالج کے فارغ التحصیل تھے اور انھیں مرزا غالبؔ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ اس تعلق کی وجہ سے معیار الشعراء غالب کے پاس پہنچتا تھا۔ اس میں کبھی کبھار غالب کے مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ غالب نے اپنے دو مراسلات (بابت ۱۳ جولائی ۱۸۵۹ء، ۷ اگست ۱۸۵۹ء) میں اس گلدستے کا حوالہ بھی دیا ہے۔[۴۰]

اردو کا یہ دوسرا گلدستہ معیار الشعراء نومبر ۱۸۴۸ء میں جاری ہوا اور ۱۸۵۹ء کے بعد تک شائع ہوتا رہا۔[۴۱] اس کا اجرا منشی ابو الحسن جیسے ذی علم شخص کے ہاتھوں ہوا۔ یہ درست ہے کہ وہ اس کے چند ماہ ہی مہتمم رہے، لیکن اس مختصر سے عرصے میں انھوں نے ایک ایسا معیار قائم کر دیا کہ برسوں بعد بھی وہ اسی پر قائم رہا۔ اس کی ضخامت، قیمت، قدیم و جدید استادان فن کا منتخبہ کلام، مشمولہ شعرا کے بارے میں مختصر نوٹ، طرحی غزلیں غرض یہ کہ سبھی کچھ وہی رہا، جس کا آغاز منشی ابو الحسن نے کیا تھا۔ بلاشبہ اردو کا پہلا گلدستہ گل رعنا ہے۔[۴۲] یہ مولوی کریم الدین پانی پتی نے دہلی سے ۱۸۴۵ء میں جاری کیا تھا، لیکن یہ چار مہینوں سے زیادہ نہ چل سکا اور ابھی اس کے سات یا آٹھ شمارے ہی نکلے تھے کہ بند ہو گیا۔ اس اعتبار سے معیار الشعراء اردو کا ایسا گلدستہ ہے، جو مدیران کی تبدیلی کے باوجود اتنے سال چھپتا رہا اور وہ بڑی پامردی سے اس راہ پر گامزن رہا، جو روز اول سے اس کے لیے متعین کر دی گئی تھی۔[۴۳]

اشرف الاخبار (لکھنؤ)

باہتمام سید واجد علی بلگرامی، شہر لکھنؤ محلہ اسمٰعیل گنج، مطبع شریفیہ

۱۸۵۷ء

جلد ا نمبر ا (۲۱ فروری)　　جلد ا نمبر ۲ (۲۸ فروری)　　جلد ا نمبر ۳ (۷ مارچ)

جلد ا نمبر ۴ (۱۴ مارچ)　　جلد ا نمبر ۶ (۲۸ مارچ)

(لکھنؤ سے نئے اخبار عیار الاخبار زیر اہتمام سید آفتاب علی کے اجراء کی خبر)

جلد انمبر ۷ (۴ اپریل)　　　　جلد انمبر ۹ (۱۸ اپریل)　　　　جلد　　　انمبر
۱۰ (۲۵ اپریل)

جلد انمبر ۱۱ (۲ مئی)　　　　جلد انمبر ۱۲ (۹ مئی)

امداد صابری نے اس اخبار کے مہتمم کا نام منشی واجد علی صاحب واجد (باشندۂ ہوگلی) لکھا ہے۔ (تاریخ صحافت اردو: جلد ۱، ۷۳-۷۷؛ اردو صحافت اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از معصوم مراد آبادی، نئی دہلی ۲۰۰۸ء؛ طاہر مسعود (۲۰۱۶ء) نے اس اخبار کا ذکر نہیں کیا۔

ڈاکٹر اشپرینگر تقریباً دو سال مشرق وسطیٰ کے مختلف ممالک سے مخطوطات اور نادر کتب جمع کرتا رہا، ہندوستان واپس آتے ہی اپنے بیش بہا نجی کتاب خانہ کو جرمنی بھجوانے میں مصروف رہا اور اس کے بعد خود بھی جرمنی روانہ ہو گیا (۱۸۵۶ء)۔ اس سے اگلے سال اشرف الاخبار کا آغاز ہوا۔ ممکن ہے اس کے مہتمم سید واجد علی بلگرامی اس کے پرانے احباب میں ہوں اور وہ اس اخبار کو بذریعہ ڈاک جرمنی بھجواتے رہے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے شروع ہوتے ہی (۱۰ مئی) یہ ہفت روزہ اخبار بند ہو گیا۔

Shabi Ahmad: "Events of 1857 as gleaned through Urdu newspapers", Proceedings of the Indian History Congress, 61/2000-2001 (2001), pp. 474-478)

طاہر مسعود نے اس اخبار کا مقام اشاعت لکھنؤ کے بجائے دہلی لکھا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی وضاحت کی ہے کہ "دہلی کے اس اہم اخبار کا حال بھی پوشیدہ ہے۔ گارساں دتاسی، محمد اشرف نقوی اور امداد صابری نے اس اخبار کے متعلق جو معلومات فراہم کی ہیں، وہ اتنی ادھوری ہیں کہ اخبار کی دیگر تفصیلات تو الگ، یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ اخبار پہلی بار کب جاری ہوا" (ص ۵۵۱)۔

انھوں نے جس اشرف الاخبار کا ذکر کیا ہے، وہ دہلی سے ۱۳ اکتوبر ۱۸۶۲ء سے چھپنا شروع ہوا (ص ۵۵۱-۵۷۵)

اشتہار

اجازہ عالم تحریر و فاضل بے نظیر حائز قصبات سبق تحقیق فا(؟) اقصائے مدارج تدقیق، صاحب کمالات زاہرہ حاوی، فضائل باہرہ، عین الانسان عمدۃ الاعیان، ذی الشرف الخفی والجلی الحافظ القاری المولوی السید جعفر علی اسبع اللہ[44] علیہ نعمہ وایاویہ و آباد حاسدیہ واعادیہ کا، جو جناب سلطان العلماء آدم القدایامہ ولیالیہ نے عطا کیا تھا اور اوس پر دستخط اور مہر جناب سید العلماء اعلیٰ اللہ ذکرہ فی اعلیٰ علیین کے بھی ثبت ہیں، اس مطبع میں

مطبوع ہوا چاہتا ہے۔ جن صاحب کو خریداری اس کی منظور ہو، پہلے اوس کی درخواست روانہ کریں۔ اور قیمت اوس کی زیادہ دو آنہ سے نہ ہو گی۔

واضح ہو کہ جناب حافظ صاحب ممدوح کہ بالفعل مدرس اول مدرسہ نواب سید حامد علی خاں صاحب[۴۵] بہادر دلّی میں ہیں، جامع کمالات انسانی ہیں۔ فنون درسیہ، صرف نحو، ہندسہ، حساب، ہیئت، ادب، بلاغت وغیرہ میں یکتائے زمانہ اور علوم دینیہ، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تجوید وغیرہ میں علامۂ دوران، قاری بے بدل، عالم باعمل ہیں اور مخالف و موافق دوست دشمن (اس) کا اعتراف کرتے ہیں اور بڑے بڑے افاضل اور مشہور لوگ اون کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

از اں جملہ مولوی سید برکت علی صاحب مدرس مدرسہ لاہور کے علم اور فضل میں یکتائے آفاق اور تحقیق اور تبحر میں فرید علی الاطلاق ہیں۔[۴۶]

از اں جملہ مولوی عمار علی صاحب[۴۷] پیش نماز مسجد نواب موصوف کہ فضل اور صلاح اور تقویٰ اور ورع اور تقدس میں مشہور اور معروف ہیں۔

ازاں جملہ مولوی مرزا علی صاحب[۴۸] منصف کہ فضائل اور کمالات اور مناقب اون کے خارج از بیان ہیں اور مولوی مرزا محمد باقر صاحب[۴۹] اردو اخبار کو، کہ حسن طینت اون کی جہاں میں مشہور ہے، بھی تلمذ مولانا ئے ممدوح کا بواسطہ مولوی خدا بخش[۵۰] تلمیذ مولانا ممدوح کے حاصل ہے۔ فقط

اشرف الاخبار، لکھنؤ، ج ا نمبر ۱۰، بابت ۲۵ اپریل ۱۸۵۷ء

آخری شمارے سے ایک اقتباس:

صاحب کوہ نور[۵۱] تحریر فرماتے ہیں کہ ۲۴ اپریل کو مسٹر پاسک صاحب[۵۲] بہادر انسپکٹر حلقہ اول نے امتحان طلباء مدرسہ تعلیم المعلمین[۵۳] کا لیا۔ صاحب مہتمم کوہ نور بھی شریک جلسہ تھے۔ طالب علموں کی حسن لیاقت اور حاضر جوابی سے صاحب ممدوح بہت خوش ہوئے۔ مولوی برکت علی صاحب مدرس کو طلباء کی حسن لیاقتی اور ترقی سے داد خوشنودی عنایت فرمائی اور روسی مولانا صاحب امرتسر کو تشریف فرما ہو گئے۔

ایضاً، ج ا نمبر ۱۲، بابت ۹ مئی ۱۸۵۷ء / ۱۴ رمضان ۱۲۷۳ھ

بذیل دہلی:

خبر علامہ و تحریر فہامہ عالم لوذعی فاضل المعی، ناقد بصیر و جیہہ خبیر، البارع الخیر القصیر والفضل الظاہر االشہیر السید جعفر علی[۵۴] ادام اللہ الشریف افادانہ حسب دستور قدیم پر روز ہر ماہ مبارک رمضان میں بیچ مسجد نواب مستطاب معلی القاب اعتماد الدولہ بہادر دام اقبالہ کے شام کے وقت تلاوت قرآن مجید اور قرأت فرقان حمید فرماتے ہیں۔ جس طرح کا مجمع نئے طرز کا جلسہ ہوتا ہے۔ بسبب فرط اشتیاق کے مومنین، موافقین، مخالفین، علماء، صلحاء، امراء، وزراء تشریف لاتے ہیں اور وہ حظ وافر استماع قرأت قرآن مجید سے اوٹھاتے ہیں۔ الحق آج تک چشم زمانہ نے ایسا قاری بے عدیل اور ایسا خوش الحان بے بدیل نہیں دیکھا۔ سال گذشتہ میں جب ممدوح اس شہر لکھنؤ میں واسطے زیارت جناب علیین مکان سید العلماء طاب ثراہ سے تشریف لاتے تھے، تو بعضے اقابر نے باصرار تمام جناب

مولانا کو تکلیف دی تھی اور مسجد تحسین علی خان میں جلسہ واسطے قرأت کے قرار دیا تھا، تو جناب قدسی مآب فرید الدہر والا و آن مجتہد العصر والزمان جناب مولوی سید محمد صاحب[۵۵] اور جناب ممتاز العلماء مولانا سید محمد تقی[۵۶] صاحب ادام اللہ ماظلہا بھی واسطے استماع قرات جناب ممدوح کے تشریف لے گئے اور نہایت تعریف و توصیف جناب مولانا صاحب کی فرمائی۔ ایضاً، ج ا، ۱۲ بابت ۹ مئی ۱۸۵۷ء / ۱۴ رمضان ۱۲۷۳ھ

عمدۃ الاخبار

جلد ا نمبر ۲۴ (۶ دسمبر ۱۸۴۷ء) جلد ۲ نمبر ۶ (۷ فروری ۱۸۴۷ء)

بریلی سے شائع ہونے والا پہلا اردو اخبار۔ اجراء کنندہ بریلی اسکول کا سپرنٹنڈنٹ مسٹر ٹی گرے۔ مطبع عمدۃ الاخبار۔ پہلا مدیر مولوی عبد الرحمٰن، پھر لچھمن پرشاد۔ ہفتہ وار، سنہ اجراء ۱۸۴۶ء سال اختتام ۱۸۵۷ء۔

برائے تفصیل رک: امداد صابری ا: ۳۲۹؛ عتیق صدیقی: شمالی مغربی، ص ۸۰-۸۱؛ طاہر مسعود، ص ۲۳۹-۲۳۷؛

J. Natrajan: A History of Indian Journalism. Delhi, pp. 51-52; K. Sajunlal: "The Omdet-ul-Akhbar of Bareilly", in: IHRC, Proceedings, 24 (1948), pp. 100-105); Ibid: "The Omdat-ul- Akhbar" (in: Ibid., 23 (1846), pp. 54-56)

قاسم علی سجن لال کے یہ دونوں مضامین اس اخبار کے ۱۸۵۴ء اور ۱۸۵۶ء کے شماروں پر مشتمل ہیں، جو اب ان کے کولیکشن (عثمانیہ یونی ورسٹی، حیدر آباد دکن) میں محفوظ ہیں۔

فوایدالشائقین

جلد ۴ نمبر ۱۳ (یکم اپریل ۱۸۵۰ء)

اس کا مقام اشاعت آگرہ مرقوم ہے، لیکن اردو صحافت کے مؤرخین دہلی بتاتے ہیں۔ ۱۸۴۶ء میں یہ ہفتہ وار اخبار مطبع دار السلام سے نکلنا شروع ہوا۔ باہتمام پربھول دیال۔ ۱۸۵۰ء میں بند ہو گیا۔

اردو کا پہلا تخصیصی اخبار، جس نے قانون کو اپنا موضوع بنایا۔ نئے نافذ کردہ انگریزی قانون سے عوام الناس زیادہ تر ناواقف تھے، اس لیے قانونی معاملات میں ان کی رہنمائی کرنا اور اس کے مختلف پہلوؤں سے آگاہ کرنا اخبار کا مقصد تھا۔ رک: طاہر مسعود، ص ۲۳۶-۲۳۵؛ اس اخبار کا ۱۸۴۸ء کا مکمل فائل امداد صابری کے ذاتی کتاب خانہ میں محفوظ ہے۔ رک: امداد صابری جلد ا: ۲۳۔

صدر الاخبار و نتایج الافکار

جلد ۲ نمبر ۹۲ (۶ نومبر ۱۸۴۷ء) جلد ۲ نمبر ۹۳ (۱۰ نومبر ۱۸۴۷ء)

جلد ۲ نمبر ۱۰۴ (۱۸ دسمبر ۱۸۴۷ء) جلد ۲ نمبر ۱۰۵ (۲۲ دسمبر ۱۸۴۷ء)

جلد ۳ نمبر ۵ (۱۵ جنوری ۱۸۴۸ء) جلد ۳ نمبر ۶ (۱۹ جنوری ۱۸۴۸ء)

آگرہ کا پہلا اردو اخبار، سنہٗ اجراء ۶ مارچ ۱۸۴۶ء۔ اجراء کنندہ آگرہ کالج کے پرنسپل سی،فنک۔ بنیادی مقصد مغربی علوم کی اشاعت۔ فنک کے انتقال (۱۸۴۸ء) کے بعد ایشوری لال مدیر، لیکن وہ اس ذمہ داری کو بطریق احسن نبھا نہ سکا۔ اس کی برطرفی کے بعد نئے مدیر فیلن نے اس کا نام تبدیل کر دیا، یعنی الحقائق و تعلیم الخلائق۔رک: طاہر مسعود، ص ۲۳۵-۲۳۰؛ نظیر حسنین زیدی: صدر الاخبار ۱۸۴۶ء (صحیفہ، ش ۴۰ (جولائی ۱۸۶۸ء، ص ۶۳ بعد)۔

نمونہ عبارت:

خبر پرنسپل مدرسہ دہلی

> گزٹ کلکتہ سے دریافت ہوا کہ ڈاکٹر اسپرنجر صاحب پرنسپل مدرسہ دہلی برائے چندے لکھنوٗ کے رزیڈنٹ کے اسسٹنٹ مقرر ہوئے۔ نواب گورنر جنرل کی تجویز صاحب کے مقرر کرنے میں بہت مناسب ہے، کیونکہ ڈاکٹر صاحب بلا سبب واقفیت زبان عربی، فارسی، اردو کے لیاقت کماحقہ' اس عہدہ کے انصرام کرنے کی رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ نواب لکھنوٗ کے اوس سے رضامند و خرسند ہوں گے۔ ایک بات گورنر جنرل کو یہ بھی منظور ہے کہ کتاب خانہ شاہی کی ایک فہرست طیار کی جائے، کیونکہ گورنمنٹ کو ضرور ہے کہ دفتر نو اون علموں کا موجود رکھیں جو روز بروز حکم عنقا کہتے جاتے ہیں۔ حقیقت میں ان علوم کی کتابوں کی ایسی ان دنوں بے قدری ہے کہ بحالت بوسیدگی و کرم خواری کے بھی کوئی اون کی نقل نہیں کر لیتا ہے۔ اگرچہ یہ نہیں معلوم کہ ڈاکٹر صاحب کی جگہ دہلی کے مدرسہ میں کون پرنسپل مقرر ہو گا، مگر یقین تو یہ ہے کہ ڈبلیو ٹیلر مدرس اول جنھوں نے اونکے ایام رخصت میں کام پرنسپلی کا بخوبی انجام دیا تھا، مقرر ہوں گے۔ ۲۲ دسمبر ۱۸۴۷ء، باہتمام ایسری پرشاد، مطبع مدرسہ اکبر آباد میں چھاپا گیا۔

زایرین ہند

جلد اول نمبر ۸ (۱۵ دسمبر ۱۸۵۰ء)

۱۸۵۱ء

جلد ۱ نمبر ۱۰ (۱۵ جنوری)　جلد ۱ نمبر ۱۲ (۱۵ فروری)　جلد ۱ نمبر ۱۴ (۱۵ مارچ)

جلد ۱ نمبر ۱۵ (یکم اپریل)　جلد ۱ نمبر ۶ (۱۵ اپریل)

مقام اشاعت بنارس، سنہٗ اجراء یکم ستمبر ۱۸۵۰ء۔ پندرہ روزہ۔ اختتام ۱۸۵۴ء۔ مہتمم ہربنس لال۔ مطبع مفید ہند۔

ایک سرکاری رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ یہ "اخبار صرف یورپین خریداروں کے بل پر چل رہا ہے۔" بحوالہ عتیق صدیقی: صوبہ شمالی و مغربی... ص ۹۱-۹۰؛ طاہر مسعود، ص ۱۰۹۲ (پاک و ہند اور یورپ کے کسی کتاب خانے میں اس کا ایک شمارہ بھی موجود نہیں)۔

احسن الاخبار و تحفۃ الاخیار (فارسی)

پانزدہم ستمبر ۱۸۴۸ء

مقام اشاعت **ممبئ**، سنۂ اجراء، ۹ نومبر ۱۸۴۴ء۔ رک: **عرشی رامپوری:** قدیم اخبارات کی کچھ جلدیں (نوائے ادب، ۱۹۵۸ء، ص ۲۵ بعد)؛ **محمد عتیق صدیقی:** ہندوستان کی اخبار نویسی، ص ۳۵۷-۳۵۶؛ **عبدالرزاق راشد:** آدھی صدی پہلے کے اردو اخبار (اردو، بابت اکتوبر ۱۹۳۵ء)۔ اخبار کو غالب سے خصوصی تعلق تھا، اسی لیے مرزا کی قمار بازی والے مشہور مقدمے سے گلو خلاصی کرانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ (طاہر مسعود، ص ۱۱۶-۱۱۵)

گلشنِ نو بہار (فارسی)

جلد ۱ نمبر ۱۱ (۱۲ اپریل ۱۸۵۱ء)

کو لکتہ سے یکم فروری ۱۸۵۱ء کو جاری ہوا۔ مدیر عبد القادر۔ ڈیڑھ روپیہ ماہانہ اور سالانہ پیشگی چندہ پندرہ روپیہ تھا۔ مرأۃ الاخبار (کو لکتہ) (بابت ۵ جنوری ۱۸۵۱ء) میں اس اخبار کے شائع ہونے کی خبر یوں شائع ہوئی ہے:

> حالا یک صحیفہ موسوم بہ گلشنِ نو بہار درین شہر نامدار بوجود آمد است و از ابتدائے ماہ فروری سنہ حال آغاز طبع آن شدہ چنانچہ ملاحظہ وقائع نامہ نمبر اول مطبوعہ یکم فروری کہ نزد ماہ رسیدہ است دویم کہ عبارتش سلیس است و کاغذش بس نفیس حروفش دلچسپ خوب است و تقطیش بس مرغوب و مطالعہ رفت کہ مہتمم آن وعدہ فرمودہ است کہ در آن صحیفہ جز سوانح وقائع نقل گورنمنٹ آگرہ وہم غزل ہائے تازہ کہ فرحت بخش بے اندازہ باشد و نیز تقرر و ترحص عہدہ داران سرکاری وہم بندی از ہیچ تواریخ نایاب درج خواہد نمود۔ و قیمتش یک و نیم روپیہ ماہانہ۔ پیشگی پانزدہ روپیہ سالانہ معین فرمود۔

اخبار بے باک تھا اور سرکار انگریزی کی غلط کاریوں کو بے نقاب کرتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں ملک کی غلامی کے خلاف آواز بلند کی جس کی پاداش میں اس کا چھاپہ خانہ ضبط کر لیا گیا۔ امداد صابری، جلد ۱: ۹۶-۹۵؛ محمد اشرف نقوی (اختر شہنشاہی) اور عبدالسلام خورشید (صحافت، پاکستان و ہند میں) نے اس اخبار کا سنۂ اجراء ۱۸۵۱ء لکھا ہے، جو درست نہیں۔ اس شمارے کے مضمون بعنوان ظلم بزرگ...بر طلبہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کی عکسی نقل کے لیے رک: قدیم دہلی کالج، ص ۷۰۷-۶۹۹ (از راقم)۔

جام جمشید (فارسی)

نمبر ۱۹۳ (۱۷ دسمبر ۱۸۵۰ء) نمبر ۱۹۴ (۲۴ دسمبر ۱۸۵۰ء) نمبر ۱۹۵ (۳۱ دسمبر ۱۸۵۰ء)

نمبر ۱۹۶ (۷ جنوری ۱۸۵۱ء)

فارسی ٹائپ میں شائع ہونے والا ہفتہ وار اخبار۔ ہر سہ شنبہ کو کولکتہ سے نکلتا تھا۔ یہ اخبار کولکتہ ہی سے شائع ہونے والے فارسی اخبار جام جہاں نما کا جانشین تھا، کیونکہ اس کا مطبع جام جمشید کے مالک نے خرید کر اپنا اخبار شروع کیا تھا۔ مدرسہ محمدیہ، جامع مسجد، ممبئی میں اس کے شمارے (نمبر ۲۱۲ تا ۲۴۶) محفوظ ہیں، بابت ۲۹ اپریل ۱۸۵۱ء تا ۲۳ دسمبر ۱۸۵۱ء۔ اس کے ایک شمارہ (نمبر ۲۴۰، بابت ۱۱ نومبر ۱۸۵۱ء) میں یہ اطلاع دی ہے کہ مولانا مملوک العلی نانوتوی، مدرس اول مدرسہ عربی، شہر دہلی نے ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ کو انتقال کیا۔ برائے تفصیل رک: عرشی رامپوری (نوائے ادب، اپریل ۱۹۵۸ء، ص ۴۳-۴۲؛ محمد عتیق صدیقی: شمالی و مغربی... ص ۱۳۵-۱۳۴۔ طاہر مسعود نے جام جمشید نام کے چار اردو اخبارات کا ذکر کیا ہے، جو آگرہ، بریلی، میرٹھ اور مراد آباد سے شائع ہوتے تھے، لیکن کولکتہ کے اس فارسی اخبار کا حوالہ نہیں دیا۔

حوالہ جات:

* اردو کا پہلا باقاعدہ روزنامہ اودھ اخبار ہے، جو لکھنؤ سے منشی نول کشور کی زیر ادارت شائع ہوتا تھا (۱۸۷۴ء)۔ رک:

Ulrike Stark: "Politics, Public Issues and the Promotion of Urdu Literature: Avadh Akhbar, the First Urdu daily in Northern India."(Annual of Urdu Studies, 18/i (2003), pp. 45-82)

اس سے قبل تمام ہفتہ وار، پندرہ روزہ اور ماہ نامے اخبارات ہی کہلاتے تھے۔ انیسویں صدی عیسوی کی اردو صحافت کے بارے میں ڈاکٹر طاہر مسعود لکھتے ہیں: پچھلی صدی کے اخبارات کی فائلیں اول تو دستیاب ہی نہیں اور جو دستیاب ہیں وہ دور دراز مقامات پر اتنی منتشر حالت میں ہیں کہ ان تک رسائی حاصل کرنا، انھیں یکجا کرنا، ان کا مطالعہ و تجزیہ کرنا، ان سب باتوں کا تصور کر کے ہی ہمت جواب دے جاتی ہے۔" (اردو صحافت انیسویں صدی میں۔ لاہور ۲۰۱۶ء، ص ۱۸) نیز رک: قاسم علی سجن لال کا یہ اہم مقالہ:

"Plea for the Study of the mid-nineteenth century Urdu Newspapers as the source of Indian History." (Islamic Culture, 1948, pp. 193-199)

۱۔ رجوع کیجیے (رک) دہلی کالج (۱۸۲۵ء) کے پہلے سیکرٹری کی جامع رپورٹ پر مشتمل راقم کا درج ذیل مقالہ:

"The Beginning of Oriental Learning in British India (According to Report, 17 Jan. 1824)", (in: Bunyad (LUMS, Lahore), vol. 7 (2016), pp. 5-26.

۲۔ مزید تفصیل کے لیے رک: حامد اللہ افسر: اردو کا پہلا اخبار (نوائے ادب (ممبئی)، ۱۹۵۰ء؛ راحت حسین اکبر آبادی: اردو کا سب سے پہلا اخبار، (معارف) اعظم گڑھ) اپریل ۱۹۵۱ء، ص ۳۰۳-۳۰۵؛ مرزا صادق: اردو کا پہلا اخبار، جام جہاں نما (معارف، جنوری ۱۸۵۱ء، ص ۶۰-۶۸)؛ اردو کا پہلا اخبار، ایک تحقیقی تنازع (در: اردو صحافت انیسویں صدی میں از ڈاکٹر طاہر مسعود، لاہور ۲۰۱۶ء، (کراچی ۲۰۰۲ء)، ص ۱۰۸۷-۱۰۸۹، ضمیمہ الف، طاہر مسعود)؛ اسلم صدیقی: اردو زبان کا پہلا اخبار (اردو (دہلی)، ۱۹۴۷ء، ص ۷۲-۷۴)۔

۳۔ طاہر مسعود، اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ، لاہور ۱۹۹۲ء، ص ۱۳

۴۔ اس اخبار یعنی دہلی اردو اخبار کے مالک و مدیر مولوی محمد باقر دہلوی، والد محمد حسین آزاد، کولکتہ سے پریس خرید کر لائے اور یہاں نصب کیا۔ اپنا مطبع قائم کیا اور وہیں سے یہ اخبار جاری کیا۔ ذوق دہلوی کے اسی ارادت مند کو دربار شاہی میں بھی بڑا رسوخ حاصل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ دہلی کالج میں وہ پہلے متعلم اور پھر معلم رہے۔ کالج کے پہلے سیکرٹری ٹیلر کو فارسی پڑھائی تھی اور ان کی مسیحیت کی تبلیغی سرگرمیوں سے آگاہ تھے۔ وہ سررشتہ داری اور تحصیل داری

کے محکمہ بندوبست میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر بھی کام کر چکے تھے۔ رک: دہلی اردو اخبار، ۱۸۴۱ء۔ ترتیب و تہذیب پروفیسر ارتضیٰ کریم۔ دہلی ۲۰۱۰ء۔ مقدمہ از خواجہ احمد فاروقی، ص ۷۔۳۴

محمد باقر دہلوی اور دہلی کالج کی شیعہ طلباء کی جماعت کے استاد مولوی قاری جعفر علی جارچوی کے مابین شدید اختلافات تھے، جن کا اس اخبار میں کھل کر اظہار کیا جاتا تھا۔ اس اختلاف کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے اپنے فرزند محمد حسین آزاد کو قاری موصوف کی جماعت سے نکلوا کر سنّی طلبہ کی جماعت میں داخل کرا دیا، جس کے استاد مولوی سید محمد تھے۔ رک: راقم کا مقالہ؛ آزاد اور ان کے والد (در: راوی (گورنمنٹ کالج لاہور)، آزاد نمبر، ۱۹۸۳ء و مطالعہ آزاد (راقم کا مجموعہ مقالات)۔ لاہور ۲۰۱۰ء، ص ۵۵-۸۷) مزید تفصیلات کے لیے رک: طاہر مسعود، ص ۱۷۳-۲۰۱؛ محمد یوسف: دلّی میں اردو صحافت کے ابتدائی نقوش، دہلی اردو اخبار۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۸ء؛ امداد صابری: اردو کے اخبار نویس۔ دہلی ۱۹۷۳ء؛ جی۔ ڈی چندن: اردو صحافت کا سفر۔ دہلی ۲۰۰۷ء، اولیں سیاسی صحافی مولوی محمد باقر اور ۱۸۵۷ء کا عہد، ص ۴۹-۷۲

Gail Minault: "The Delhi Urdu Akhbar: Between Persian akhbarat and English newspapers", (in: Annual of Urdu Studies, 18/i (2003), pp. 105-131); Ibid.: "From akhbar to news: the development of the Urdu press in the early nineteenth century Delhi" (in: A Wilderness of Possibilities: Urdu Studies in Transnational Perspectives. Eds. Kathryn Hansen & David Lelyveld. Delhi: OUP, 2005, pp. 101-121); M. H. Fisher: "The office of Akhbarnawis: the transition fropm Mughal to British Forms". (in Modern Asian Studies, 27/i (1993), pp. 45-82); Graham W. Shaw & Salim Quraishi (compilers): The Bibliography of South Asian Periodicals. A Union-List of Periodicals in South Asian Languages. Sussex 1982, "Urdu", pp. 111-129. Sajun Lal: "The Delhi Urdu Akhbar and its Importance" (Islamic Culture, Jan. 1950).

۵۔ اختر شہنشاہی از محمد اشرف نقوی۔ لکھنؤ ۱۸۸۸ء؛ (قاسم علی سجن لال نے اس کا انگریزی ترجمہ کر لیا تھا، لیکن وہ شائع نہیں ہوا؛ طاہر مسعود نے اس کا مقدمہ و حواشی سمیت حتمی مسودہ برائے طباعت سنگ میل پبلی کیشن کو بھجوا دیا ہے۔ طاہر مسعود، ص ۲۱۰-۲۰۱

۶۔ رک: راقم کی انگریزی کتاب کا یہ مقالہ:

"Félix Boutros--Life, Works and his Contribution to Urdu Language and Literature", in: Master Ramchandra (1820-1881). Mathematician, Journalist and Educationist. Lahore 2021, pp. 128-164, here p. 151.

۷۔ رک: دہلی کالج (انگریزی) مرتبہ Margrit Pernau۔ دہلی ۲۰۰۶ء میں راقم کا مقالہ بعنوان، ڈاکٹر الوئس اشپرینگر اور دہلی کالج۔

۸۔ رک: امداد صابری، جلد اول (۱۹۵۳ء)۔

۹۔ ڈاکٹر محمد صادق کی تاریخ ادب اردو (انگریزی)۔ لندن ۱۹۶۴ء، ص ۱۰۴

۱۰۔ امداد صابری، جلد اول (۱۹۵۳ء)

۱۱۔ راقم کی رام چندر پر محولہ بالا کتاب۔ ۲۰۲۱ء

۱۲۔ طاہر مسعود، اردو صحافت کی ایک نادر تاریخ۔ لاہور ۱۹۹۲ء، ص ۲۰

۱۳۔ رک: راقم کی کتاب، قدیم دہلی کالج، اساتذہ اور طلباء کے مکاتیب بنام الوئس اشپرینگر، ۱۸۴۶ء-۱۸۵۶ء، لاہور ۲۰۱۲ء۔

۱۴۔ رک:

A. Sprenger: A Catalogue of the Bibliotheca Sprengeriana. Giessen 1857 (total numrer mss. and books, 1972).

۱۵۔ رک:

Karl von Halm (1809-1882): Denkschrit über die Verhandlungen zwischan der Direktion der k. Hof-und Staatsbibliothek zu München und Dr. Aloys Sprenger über die Ankauf der Bibliotheca Sprengeriana Orientalia. Heidelberg 1859.

۱۶۔ اشپرینگر کے فروخت کردہ عربی، فارسی اور اردو مخطوطات کی تفاصیل برلین کی درج ذیل فہارس میں موجود ہیں:

W. Ahlwardt (1828-1909): Verzeichniss der arabischen Handschriften. 10 vols., Berlin 1887-1899; Hars Kurio: Arabische Handschriften der 'Bibliotheca orientalis Sprengeriana'. Berlin 1981. W. Pertsch (1832-1899): Verzeichniss der Persischen

Handschriften. Köiglichen Bibliothek zu Berlin. Berlin 1888. S. Mujahid Husain Zaidi (d. 2017): Urdu Handschriften. Weisbaden 1973.

کتاب خانۂ برلین میں ان مخطوطات کے شامل ہونے کے بعد نامور جرمن مستشرقین نیولدکے (Th. Nöldeke, d. 1930) ان کی افادیت کا یوں اعتراف کرتے ہیں:

"After the collection passed to the Königlistische Bibliothek, Berlin, it was instrumental inaugurating a new era of Islamic studies in Germany". (The History of Qur'an. By Th. Nöldeke. Edited and translated by Wolfgang Behn. Leiden 2013, p. 375)

ذخیرۂ اشپرینگر کے لیے مزید رک:

L. Hanisch: Verzeichnis der Orientalistenmachlässe in deutschen Bibliotheken und Archiven. Halle 1997.

۱۷۔ رک Orientalia. Katalogue der Bibliothek Prof. Dr. Alois Sprenger. 1896 (p. 44)

۱۸۔ سوئٹزر لینڈ کے جرمن بولنے والے علاقے کا مرکزی شہر۔ یہاں کی یونی ورسٹی سے معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر برسوں طالب علموں کو "ہندوستانی" یعنی اردو پڑھاتا رہا۔ ہائنرخ ہندوستان میں پیدا ہوا۔ ممکن ہے، والد کی وفات کے بعد وہ اسی شہر میں مقیم رہا ہو۔

۱۹۔ حضور اکرم ﷺ کی حیات و تعلیمات پر اپنی جرمن کتاب (۳ جلد) کی جلد اول کے پیش لفظ میں وہ اپنی زندگی کے مقصد کو یوں بیان کرتا ہے:

"Ihm kam es vor, dass man auf die Kenntnis des klassischen Altetums zu viel und auf die des Orients zu wenig Werth lege, und er hat sich daher schon im früher Jugend entschlossen, sich ganz asiatischen Studien zu widmen. Er machte es sich zu Lebensplan das Morgenland zu besuchen, zur Erführung europäischer Kultur beizutrgen und hinwieder ein richtigere Kenntnis des Orients und seiner Literatur nach Europa zurückzubringen."

(Das Leben und die Lehre des Mohammed, Vol. I, Berlin 1861 (2nd ed., 1868), Preface, p. V, Reprinted: 1986).

۲۰۔ اشپرینگر قیام لندن کے دوران میں پینی میگزین اور پینی سائیکلوپیڈیا چھاپنے والے ادارے سے منسلک رہا اور ان کے لیے مختلف موضوعات پر مضامین لکھتا رہا۔ برائے تفصیل رک: راقم کا انگریزی مقالہ: اشپرینگر لندن میں در: تحصیل (کراچی) ا ش ۵ (2019ء، ص ۱-۳۱؛ پینی سائیکلوپیڈیا کی کچھ جلدیں اس کے ذاتی کتاب خانہ میں محفوظ تھیں:

The Penny Cyclopaedia of the Society for the Diffusion of Useful Knowledge. London 1833-1844. (Orientalia, op. cit.)

۲۱۔ متذکرہ بالا سیرت پاک ﷺ کے پیش لفظ میں رقم طراز ہے:

"Im Jahre 1845 zum Beispiel gründete ich zu Delhi eine illustrierte Zeitschrift im Geiste des Penny Magazine. Sie hat dem Titel Kiran al-sa'dayn, dass heisst, die Conjunction des beiden Glücksplaneten Jupiter msi Venus, wounter der Occident und Orient zu verstchen war. Es war dies der erste Versuch dieser Art. Elf Jahre später, als ich Indien verliess, hatte ich das Vergnügen, über ein Duzend Nachchmungen zu zehen." (Das Leben...op. cit., vol. 1, Preface, p. VI)

۲۲۔ محمد عتیق صدیقی: قران السعدین (دہلی کا پہلا ادبی رسالہ)۔ (صبح (دہلی)، ج و، ش ۱ (۱۹۸۲ء)، ص ۹

۲۳۔ امتیاز علی عرشی رامپوری: قدیم اخبارات کی کچھ جلدیں (نوائے ادب (ممبئی)، ج ۱ ش ۲ (اپریل ۱۹۵۸ء)، ص ۴۴-۴۵

۲۴۔ زور، محی الدین قادری زور، ۱۹۸۴ء تذکرہ مخطوطات ادارئہ ادبیات اردو۔ جلد پنجم، طبع عکسی، نئی دہلی، ص ۱۳۲-۱۳۶

۲۵۔ قاسم علی سجن لال: قدیم دہلی کالج کے کچھ حالات ہم عصر اخباروں کی زبانی ('دلّی کالج اردو میگزین'۔ دلّی کالج نمبر، ۱۹۵۳ء، ص ۳۴-۵۱)

۲۶۔ قران السعدین، ج ۲ ش ۲ (۱۱ جنوری ۱۸۴۷ء) 'حل تاریخ کشمیر'۔

۲۷۔ سیدہ جعفر، رام چندر اور اُردو نثر کے ارتقاء میں اُن کا حصہ، حیدر آباد دکن ۱۹۶۰ء۔

۲۸۔ رک:

Edwin Jacob: A Memoir of Prof. Yesudas Ramchandra of Delhi. Cawnpore 1902, p. iii.

۲۹۔ ''گل رعنا اردو کا غالباً پہلا گلدستہ ہے، جس کو مولوی کریم الدین نے ۱۸۴۵ء میں نہیں، تو کچھ آگے چل کر جاری ضرور کیا۔'' (رک: ہندوستانی اخبارنویسی، کمپنی کے عہد میں، از محمد عتیق صدیقی، علی گڑھ ۱۹۵۷ء، ص ۲۸۷)۔

۳۰۔ رک: گلدستۂ صحافت (۱۸۴۵ء سے ۱۸۸۸ء تک کے کچھ گلدستوں کے حالات اور ان کے سیکڑوں شعرا کی غزلوں کے منتخب اشعار اس کتاب میں درج ہیں) از امداد صابری، دہلی ۱۹۸۴ء، ص ۹۴-۱۱۷؛ مولف نے ان گلدستوں کی تعداد ۹۸ بتائی ہے۔

۳۱۔ صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، مذکورہ بالا، ص ۶۹۔ تحتی نوٹ، ص ۶۹-۷۱

۳۲۔ ہندوستانی اخبارنویسی کمپنی کے عہد میں، مذکورہ بالا، ص ۲۸۹

۳۳۔ صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، مذکورہ بالا، ص ۷۰۔ تحتی نوٹ

۳۴۔ تاریخ صحافت اردو، جلد ۱، ۳۴: مؤلف ''تاریخ'' نے اسعد الاخبار کے ساتھ ۱۱ نومبر اور اقتباس میں ۹ نومبر کی تاریخیں لکھی ہیں۔ یہ دونوں تاریخیں محل نظر ہیں۔ یہ امر مسلم ہے کہ ابوالحسن نے اپنے گھر پر پہلی محفل مشاعرہ ۱۹ نومبر کو منعقد کرائی تھی اور ظاہر ہے اس کی روداد ۲۰ نومبر کے اسعد الاخبار میں شائع ہوئی ہو گی۔ ۲۰ نومبر ۱۸۴۸ء کا اسعد الاخبار پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی کی نظر سے گذرا تھا۔ (رک: ہندوستانی اخبار نویسی، محولہ بالا، ص ۲۸۷)

۳۵۔ ایضاً ۳۴۱-۳۴۰:۱

۳۶۔ تاریخ صحافت اردو، جلد ۱، ۳۳۹-۳۴۴، روح صحافت، دہلی ۱۹۲۸ء، ص ۵۷-۵۸، گلدستہ صحافت، ص ۱۱۷-۱۲۴

۳۷۔ ہندوستانی اخبار نویسی، کمپنی کے عہد میں، ص ۲۸۸۔۲۹۰؛ صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۶۹-۷۱

۳۸۔ گلدستہ صحافت، ص ۱۹، بذیل ''سبب تالیف''۔

۳۹۔ یہ غزل اس کلام میں شامل نہیں، جو صابر دہلوی نے اپنے تذکرہ گلستان سخن میں نقل کیا ہے۔

۴۰۔ رالف رسل و خورشید الاسلام (ترجمہ و ترتیب)؛ غالب، ۱۷۸۷ء-۱۸۶۹ء۔ جلد اول؛ سوانح و خطوط (انگریزی)۔ لندن ۱۹۶۹ء، ص ۲۰۲۔

۴۱۔ خطبات گارساں دتاسی، مطبوعہ اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء، ص ۱۱۳

۴۲۔ تاریخ صحافت اردو، ۳۴۳:۱

۴۳۔ مزید تفصیل کے لیے رک: انیسویں صدی میں اردو گلدستے، تاریخ و تحقیق از رفاقت علی شاہد؛ مقالۂ خصوصی برائے ڈاکٹریٹ، شعبہ اردو، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور ۲۰۰۷ء، ص ۳۸-۴۳، ۷۱-۷۲؛ راقم کی کتاب: قدیم دہلی کالج، ۲۰۱۲ء، ص ۳۶۷-۳۷۷، بعض ترامیم کے ساتھ۔

۴۴۔ قاری سید جعفر علی جارچوی (۱۸۱۲ء-۱۸۹۶ء)۔ ۱۸۴۱ء میں دہلی کالج میں شیعہ طلباء کے لیے الگ جماعت کے استاد۔ شاہ اودھ کے وزیر نواب اعتماد الدولہ سید فضل علی خاں نے دہلی کالج کو ایک لاکھ ستّر ہزار کی خطیر رقم بطور عطیہ دی (اور ان کی وفات (۱۸۳۰ء) کے بعد ان کے داماد نواب حامد علی خاں اس وقف کے نگران مقرر ہوئے اور ان کے پُرزور مطالبے پر شیعہ طلباء کے لیے ایک الگ جماعت عربی شروع کی گئی اور انہی کی سفارش پر قاری جعفر علی جارچوی کو استاد مقرر کیا گیا۔ (رک: راقم کا مقالہ؛ آزاد اور ان کے والد، در: مطالعہ آزاد، لاہور ۲۰۱۰ء)۔

۴۵۔ قاری سید جعفر علی جارچوی کے نواب موصوف سے گہرے تعلق ہی کی وجہ سے وہ دہلی کالج کو نواب موصوف کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ رک: راقم کی انگریزی کتاب بعنوان Hamid Ali Khan and Delhi College. Lahore 2018

۴۶۔ مولوی سید برکت علی (۱۸۲۵ء-۱۸۵۴ء) عربی اور فارسی کے عالم اور ممتاز مدرس، لیکن سوانحی کتب میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ ان کا آبائی تعلق اہل تشیع سے تھا، لیکن رجال الشیعہ سے متعلق کتب میں ان کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ تذکرۂ بے بہا فی تاریخ العلماء (از محمد حسین نوگانوی) میں نام موجود ہے۔ آغا مہدی نے تاریخ سلطان العلماء میں سرسری سا ذکر کیا ہے (کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۸۶۴) اور اسی کو مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی نے مطلع الانوار (کراچی ۱۹۸۱ء، ص ۱۲۷) اور سید عارف حسین نقوی نے تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان (اسلام آباد، ۱۹۸۴ء، ص ۶۴) میں نقل کر دیا ہے، مزید تفصیل کے لیے رک: راقم کی کتاب قدیم دہلی کالج، لاہور ۲۰۱۰ء، ص ۳۰۴-۲۴۰، مع سید برکت علی کے بارہ خطوط بنام اشپرینگر سے تشریحات۔

۴۷۔ مولوی عمار علی جس مسجد میں پیش امام تھے، وہ نواب حامد علی خاں کی تعمیر کردہ تھی اور وہیں جعفر علی قرآن پاک کی قرأت کیا کرتے تھے۔

۴۸۔ ۱۸۴۷ء کے رجسٹر کے مطابق مرزا علی جماعت سوم فارسی کے طالب علم تھے۔ عمر ۱۳ سال اور مدت تحصیل تین سال۔ رک: قدیم دہلی کالج، ص ۴۲۴

۴۹۔ مولوی محمد باقر (۱۸۱۰ء-۱۸۵۷ء)۔ محمد حسین آزاد کے والد۔ رک: راقم کی متذکرہ بالا کتب متعلقہ آزاد۔

۵۰۔ مولوی خدا بخش کے حالات زندگی اور اس کے دو خطوط بنام اشپرینگر کے لیے، رک: قدیم دہلی کالج، ص ۲۸۳-۲۸۹

۵۱۔ پنجاب کا پہلا اردو اخبار، سال اجراء، ۱۸۵۰ء۔ مقام اشاعت لاہور۔ تفصیل کے لیے رک: طاہر مسعود، ص ۲۵۳-۲۷۵

۵۲۔ مکتوب سید برکت علی بنام اشپرینگر (۱۸۵۰ء؟) میں لکھتے ہیں": حضور سے عرض ہے کہ بسک صاحب جو سابق میں لکھنؤ میں تھے اور علم وادب کی تحصیل کا شوق رکھتے تھے، اب وہ انبالہ میں اسسٹنٹ ہیں اور انبالہ میرے وطن سے قریب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اون سے ملاقات کروں، اس واسطے کہ اون کو خود بھی تحصیل علم کا شوق ہے اور کوئی عہدہ بھی اون کی سفارش سے مل سکتا ہے۔"(قدیم دہلی کالج، ص ۲۸۹) ممکن ہے، یہ "بسک" لفٹنٹ ایڈورڈ ای پاسک (Edward E. Paske) ہو جو قائم مقام ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن بھی رہا۔ پنجاب میں انسپکٹر آف اسکولز کے عہدے پر بھی فائز رہا۔ (رک: قدیم دہلی کالج، ص ۲۹۸، حاشیہ نمبر ۳)

۵۳۔ لاہور میں پہلا نارمل اسکول، جس کو تعلیم المعلمین بھی کہا جاتا تھا۔ ۱۸۵۶ء میں افتتاح ہوا۔ رک: تاریخ مخزن پنجاب از مفتی غلام سرور لاہوری۔ لکھنؤ ۱۸۷۹ء، ص ۱۵۵ اور تاریخ لاہور، طبع جدید، مرتبہ کلب علی خاں فائق۔ لاہور ۱۹۷۷ء، ص ۶۵۔ سید برکت علی، اس اسکول میں مدرس اول کی حیثیت سے پڑھاتے تھے۔ (قدیم دہلی کالج، ص ۳۰۴)

۵۴۔ قاری جعفر علی جارچوی، مدرس عربی دہلی کالج، کبھی کبھار خصوصاً ماہ رمضان میں لکھنؤ جایا کرتے تھے اور اپنے مربی نواب حامد علی خاں کے سسر نواب اعتماد الدولہ کی تعمیر کردہ اسی مسجد میں ایسی خوش الحانی سے قرأت قرآن پاک کیا کرتے، کہ سماں باندھ دیتے۔ بعض اکابر کے اصرار پر مسجد تحسین علی خاں سے بھی "قاری بے عدیل" ہونے کا مظاہرہ کیا۔

۵۵۔ سید دلدار علی نصیر آبادی لکھنو کے فرزند۔ (رک: مطلع انوار)

۵۶۔ ممتاز العلماء محمد تقی (۱۸۱۹ء-۱۸۷۲ء)۔ سید العلماء مولانا سید حسین کے فرزند اور سلطان العلماء سید محمد کے بھتیجے۔ شاہ اودھ امجد علی شاہ نے مدرسہ سلطانیہ کی بنیاد رکھی تو اس کے پہلے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ (رک: ایضاً، ص ۵۰۴-۵۰۵)

Abstract

This article presents rare Urdu and Persian newspapers launched before 1847 in the Subcontinent presently archived in the Central library of Berlin, Germany. The newspapers discussed in the article are preserved well in the library. No histories of Journalism and research work in Urdu have ever cited these newspapers. French orientalist Felix Boutros promoted translations of European studies in Urdu and had a plan for students to translate the modern European knowledge through a newspaper Talib ilmo ka Akhbar but he did not succeed to launch the newspaper. A renowned Austrian scholar and bibliographer Dr Aloys Spreger launched Qaranus sadain and Fawadun nazirin with which he pioneered tabloid journalism and dubbed the founder of journalism here in the Subcontinent. The newspapers launched before 1857 were eleven. Eight were in Urdu and rest in Persian. These were published form Dehli, Lakhnau, Aagra, Banaras, Bareli and Calcutta. The newspapers archived consist of 439 pages. No history of Urdu journals has ever mentioned Zaireen-e Hind of Banaras. The first edition of the second Guldasta of Maayarushuaara is there.

Keywords: Rare Urdu and Persian newspaper, Talib ilmo ka Akhbar, Qaranus sadain, Fawadun nazirin, Zaireen-e Hind.